

جاسوسی دنیا نمبر 55

سچ کلش

(مکمل ناول)

## پُر اسرار عورت

اس بار بہت زور سے بجلی کڑ کی اور گھوڑا اگرتے گرتے چلا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔

اس کے ساتھ ہی ہوا کا زور..... رات کا ندھیر۔

وہ ایک طوفانی رات تھی مگر شاید گھوڑا بھی طوفان سے کم نہیں تھا۔ وہ اپنے سوار کو اس طرح اڑائے جا رہا تھا جیسے وہ بھی اس ہنگامہ خیز رات کا ایک جزو ہو۔ میں میل کی مسافت طے کرنے کے بعد بھی اس کے پیروت نہیں ہوئے تھے۔ اندر ہرے میں اس طرح فراٹے بھرنے سے تو یہی معلوم ہوا تھا کہ وہ اس کا جانا پچانا راستہ ہے، سوار کی حالت البتہ ابتر تھی۔ وہ گھوڑے کی گردن سے لپٹا ہوا تھا، اُسے ہوش ہی نہیں تھا کہ لگام کب اور کیسے اُس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ لگام کہیں گری گئی ہو گی، ورنہ کہیں نہ کہیں گھوڑا اس سے الجھ کر گرا ضرور ہوتا۔ یہی غصیت تھا کہ سڑک زمین کی سطح سے کافی اوپھی تھی اور اس پر پانی نہیں اکٹھا ہوا تھا، درستہ وہ اُس رفتار سے دوڑ بھی نہ سکتا۔

سڑک کے دونوں طرف جنگلوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی بجلی کی چمک ایک لمحہ کے لئے انہیں چڑکا دیتی اور پھر وہ اسی گھنے اندر ہرے اور بارش کے شور میں کھو جاتے۔

گھوڑے کی تاپوں کی "ترذاک.....ترذاک" بارش کے شور کے باوجود بھی دور ہی سے من جائیتی۔

گھوڑا وہڑتا رہا۔ بادل پچھاڑاتے رہے اور ہوا کی شائیں شائیں بارش کے شور کو اور زیادہ بھیاںک بھاتی رہی۔

سوار کو ہوش نہیں کر گھوڑا کب شہر کی حدود میں داخل ہوا۔ بارش کا یہجان اب کچھ کم ہو گی تھا لیکن گھوڑے کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی کیونکہ سڑکیں سنان پڑی ہوئی تھیں۔ ویسے ابھی اتنی رات نہیں گئی تھی کہ سڑکیں دیرانہ ہو جاتیں۔

بارش اوز ہوا کے زور نے بجلی کے تاروں کو چھین ڈالا تھا۔ نیچے کے طور پر شہر کے بعض حصے بالکل علی تاریک ہو گئے تھے۔

گھوڑا اب جس حصے سے گزر رہا تھا وہاں زیادہ تر متول لوگ آباد تھے، وہ ایک عمارت کی کپاؤٹ کے پھانک میں گھس پڑا۔ اب اس کی رفتارت ہو گئی تھی، ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اب وہ گریبی پڑے گا۔ پوریکو میں پہنچ کر وہ شاید اپنی پوری قوت سے ہنہنیا اور اس کے حلقے سے کرہناک آوازیں لٹکتی رہیں۔

اچانک تاریک برآمدے میں بہت سے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کئی تاریچیں روشن ہوئیں اور کسی عورت کی چیخ سنائی دی۔ "میراچ پچ۔"

سوار ابھی تک گھوڑے کی گردن ہی سے لپٹا ہوا تھا۔ چار آدمیوں نے اسے انداز اور گھوڑے نے زمین پر پہنچ کر اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔ عورت سکیاں لے رہی تھی۔ کیونکہ اس نے بیہوش نوجوان کا خون میں بھیگا ہوا شاند دیکھ لیا تھا۔

اسے ایک کمرے میں لے جا کر مسہری پر ڈال دیا گیا۔ یہ چاروں آدمی خوش پوش اور مہذب تھے۔ انہیں گھر کے ملازوں میں سے نہیں سمجھا جاسکتا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ سب اس عورت کا احترام کرتے ہوں۔ عورت دراز قدر اور بھرے ہوئے جسم کی تھی۔ پینٹا لیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ چیزہ اس عمر میں بھی پرکشش تھا، لیکن اس پر اذیت

پسندی کی ساری علاطیں موجود تھیں۔ پتے پتے بچھے ہوئے ہوٹ، بھاری جبڑے، چکلی اور بے چین آنکھیں جن میں اس وقت آنسو تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان سے کوئی غیر نظری فعل سرزد ہو رہا ہو۔ یعنی آنسو ہونے کے باوجود بھی وہ روتی ہوئی سی نہیں معلوم ہو رہی تھی۔

آن میں سے ایک آدمی نے نوجوان کا زخمی شانہ کھول دیا تھا اور زخم کو غور سے دکھر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سراخا کر کشی ہوئی عورت سے کہا۔

"محترمہ تھوڑی..... یہ کسی جانور کے دانتوں کے نشانات ہیں۔"

"اوہ.....!" عورت نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے اور خود بھی جھک کر خون بھرے ہوئے حصے کو دیکھنے لگی۔

"ہاں یہ دانتوں ہی کے نشانات ہو سکتے ہیں۔" اس نے پرکون لبھ میں کہا۔ نوجوان کے جسم کا اور پری حصہ بہرہ کر دیا گیا تھا۔

"آپ باہر تشریف لے جائیے، تاکہ بھیکے ہوئے کپڑے اہار سکیں۔" ایک آدمی نے عورت سے کہا اور وہ کمرے سے چل گئی۔

وہ اس کے بھیکے ہوئے کپڑے انداز کر اسے ایک خنک چادر سے پہننے لگے۔ "کسی جنگلی درندے کے دانت۔" ایک بڑا بڑا۔

"نہیں! میرا خیال ہے کہ یہ کسی جنگلی درندے کے دانت نہیں ہیں، ورنہ شانے کی ہڈی محفوظ نہ رہتی۔ ہاں بھیڑیے کے امکانات ہو سکتے ہیں، مگر اپنی طرف کے بھیڑیے اتنے خطرناک نہیں ہوتے کہ بڑی عمر کے آدمیوں پر اس طرح حملہ کر بیٹھیں۔ ریچہ کے متعلق سوچا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ بقیہ جسم بے داغ پڑا ہوا ہے۔ اس کے ناخنوں کی ڈالی ہوئی خراشیں کافی کھڑی ہوتی ہیں اور حملے کے وقت وہ اپنے بڑے بڑے ناخن ضرور استعمال کرتا ہے۔ دوسرا جوشی درندوں میں تین دو اسپ سے زیادہ ہلاکا جانور ہے، لیکن اسکے جبڑوں کی گرفت بھی ہڈیاں توڑ دیتی ہے۔"

"پھر.....!" ایک آدمی نے سوال کیا۔

"یہ تو حضرت ہوش میں آنے کے بعد بتا سکتیں گے۔ کسی کا کہنا مانا تو جانتے ہی نہیں، جو

دھن سوار ہوئی تو ہوئی۔ اس موسم میں نہیں شکار سے باز رہنے کو کہا گیا۔ پتہ نہیں رائفل کہاں چھوڑی، نوکروں اور خیے کا کیا حشر ہوا۔“  
”محترمہ تنویر بہت پریشان ہیں۔“  
”لیکن.....!“ ایک آدمی نے آہستہ سے کہا۔ ”کیا اُنکے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں۔“

”نہیں! وہ اپنے بینے میں فولاد کا دل رکھتی ہیں۔“ ایک آدمی نے درشت لبھ میں کہا۔  
ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے وہ سوال ناگوار گزرا ہو۔ یہ ایک معمر مرتد رست آدمی تھا۔  
وہ پھر بیوش نوجوان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ ایک کافی قبول صورت نوجوان تھا۔ عمر میں  
باشیں سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ چہرے پر صحت مندی کے آثار تھے اور جسم گھٹھلا تھا۔ جسم کی  
بنادٹ ہیں کہتی تھی کہ وہ ورزشوں کا عادی ہے۔  
”اوہو.....!“ ایک آدمی نے کہا۔ ”ہم کیا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کوفون کرنا چاہئے۔“  
اچانک قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک پڑے۔ تنویر کرے میں داخل ہو رہی تھی۔  
”نہیں اب آپ لوگ تکلیف نہ کریں۔ میں خود ہی دیکھ لوں گی۔ آپ اپنے کروں میں  
جاسکتے ہیں۔“ اس نے کہا۔

وہ چاروں چپ چاپ باہر نکل گئے۔ ان کے کروں میں جانے کا یہ مطلب تھا کہ اب وہ  
تنویر کی اجازت حاصل کئے بغیر رات بھر کروں سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ ان کے لئے اس  
عجیب غریب عورت کی طرف سے ہیں حکم تھا۔  
تنویر چند لمحے اپنے بیوش الکوتے بینے کی طرف دیکھتی رہی پھر کرے سے نکل گئی۔ اس  
نے شاید ان چاروں کی ساری گفتگوں لی تھی۔

وہ متعدد کروں سے گذرتی ہوئی ایک نیم تاریک کرے میں آئی۔ یہاں کے بلب پر  
کچھ اس قسم کا شیڈ لگایا تھا کہ روشنی ایک محدود دائرے میں تھی۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی  
ایک تاریک گوشے سے عجیب طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ سیٹیاں ..... سکاریاں اور ایسی  
آوازیں، جو کسی آدمی کے بند ہوتے ہوئے طلق سے نکل رہی ہوں۔

تنویر اس تاریک گوشے کی طرف بڑھی۔ آوازیں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئیں، تنویر نے  
پار سے لٹکا ہوا چڑے کا ایک بڑا سا چاپک اتنا رہا اور اسے تاریک گوشے کی طرف گھمانے  
لئی۔ ”شاہیں.....شاہیں.....شاہیں.....شاہیں۔“

آوازیں آنی بند ہو گئیں اور کمرے میں پھر پہلے ہی کا ساسکوت طاری ہو گیا۔  
”مدد نہ کاگا.....!“ تنویر کی آواز کمرے میں گنجی۔ ”میرے بچے کو کسی جنگلی درندے نے خی  
کر دیا ہے۔“

”مرجانے دے۔“ تاریک گوشے سے اس قسم کی آواز آئی جیسے ریلوے انہی نے ایسی  
چھوڑی ہو۔

جواب میں تنویر نے پھر اسی گوشے کی طرف چاپک گھما�ا اور ستا چھا گیا۔  
”سن مدد نہ کاگا.....!“ تنویر نے پر وقار آواز میں کہا۔ ”تجھے بتانا پڑے گا کہ میرا بچے کیسے خی  
ہوا ہے۔“

”نہیں بتاؤں گا.....نہیں بتاؤں گا۔“ سیٹیاں اور سکاریاں پھر گنجیں۔  
”تو مجھے اپنے پیر نہیں چانے دیتی۔ میں نہیں بتاؤں گا۔“

تنویر نے پھر چاپک گھما�ا اور تاریک گوشے سے آواز آئی۔ ”مارڈال ..... مجھے مارڈال۔“  
”تجھے بتانا پڑے گا۔“ تنویر غریب۔  
”مدد نہ کاگا.....پیر چاٹے گا۔“

تنویر چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اس نے داہنے پیز سے سینڈول اتنا رکھا کہ تاریکی کی  
طرف بڑھا دیا۔ وہ خود روشنی میں تھی اور ایک پیر پر کھڑی ہوئی تھی۔

اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار تھے جیسے وہ بڑی کراہیت محسوس کر رہی ہو۔  
انہیں سے عجیب قسم کی غراہت بلند ہو رہی تھی اور ساتھ ہی ”چپڑ چپڑ“ کی آوازیں جیسے کتاب پانی  
پل رہا ہو۔

”ختم کرو۔“ تھوڑی در بعد تنویر نے جنم جلا کر کہا اور اپنا پیر کھٹک لیا۔ پیر بھی ہوا تھا اس نے  
”میر دوبارہ سینڈول میں نہیں ڈالا اور ساری کوئی اس طرح خنوں کے اوپر اٹھائے رہی جیسے وہ پیر

”ستا زہریلا ہے..... میں رات بھراں کے زخم چوں گا اور یہ صحیح تھیک ملے گا۔  
پیاس سے چلی جا۔“

”وترا بھریہاں اس کمرے میں نہیں رہ سکتا۔“ تنویر نے کہا۔

”اچھا تو پھر میں اسے لے جارہا ہوں۔“

”لیکن اگر اسے ہوش آگیا تو۔“

”میرے کمرے میں اندر ہوا گا تو۔ اگر اسے ہوش آگیا تو میں اسے باہر ڈال دوں گا۔“  
کچھ دریک خاموشی رہی پھر تنویر نے کہا۔

”اچھا..... تو سہی کر..... لیکن یاد رکھا اگر میرا یچھہ مر گیا تو میں تھجے زندہ نہیں چھوڑ دوں گی۔“

جباب میں ایک عجیب سی آواز گونج کر رہی تھی۔ شاید یہ اس پر اسرارستی کا قہقہہ تھا۔ تنویر خاموش رہی۔ پھر ”چٹ چٹ“ کی آواز اس کے قریب سے گزر کر کمرے سے باہر جاتی معلوم ہوئی۔ جب آواز آئی بند ہو گئی تو تنویر نے سوچ آن کر دی۔

مسہری خالی تھی۔ تنویر نے تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور ایک کرسی میں گزر گئی۔ اس کے پھرے پر گہرے تنگر کے آثار تھے۔

وہ ایک مضبوط دل کی عورت تھی۔ بعض لوگ تو اسے سکندر بیک کہہ بیٹھتے تھے لیکن اس کے چاروں مشیروں نے آج پہلے پہل اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے پہلی بار اس کی سکیانی تھیں۔ اپنے شناساؤں میں وہ ایک پراسرار عورت سمجھی جاتی تھی۔ وہ پراسرار ہی سہی مگر وہ کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ اسکی کئی فیکٹریاں اور میلیں تھیں۔ شہر کی متول ترین ہستیوں میں شامل ہوتا تھا۔ اس کا حلقة احباب محدود تھا۔ چند گنے پنے آدمی اکثر اس کی کوئی میں دیکھے جاتے۔ یہ بھی وہ لوگ تھے جنہوں نے زبردستی نادام تنویر سے تعارف حاصل کیا تھا، ورنہ وہ خود کسی سے کبھی نہیں ملتی تھی۔ وہ نہ صرف اپنے ملازموں بلکہ بڑے کے کے لئے بھی انتہائی پراسرار تھی۔ اس کی کوئی کا ایک حصہ ایسا بھی تھا جہاں کوئی نہیں جانے پاتا تھا اور یہ حصہ وہی تھا جہاں کچھ دری پہلے چاکوں کی ”شائیں شائیں“ گوختی رہی تھی۔ تنویر کے علاوہ اور کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہے۔ ویسے باورچیوں کو روزانہ تقریباً دس سیر گوشت کے پار پچے اس طرح انگاروں پر بھونتے پڑتے تھے کہ

کسی بہت نہیں گندی چیز میں جا پڑا تھا۔

”شائیں.....!“ اندر ہرے میں پھر ایک بار چاپک گھمایا گیا اور تنویر غرائی ”مدونگا..... باہر نکل۔“

”اندر ہرا..... تو۔!“ وہی سکاریتی ہوئی آواز اندر ہرے سے آئی۔

تنویر نے آگے بڑھ کر سوچ آف کر دیا۔ کمرے کا روشن حصہ بھی تاریک ہو گیا اور تنویر وہاں سے ہل پڑی۔ وہ جس کمرے سے بھی گذرتی اس کا بلب بھائی جاتی۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اندر ہرے میں کوئی چیز زیکر رہی تھی، جس کے حرکت کرنے سے ایک عجیب سی آواز پیدا ہوتی۔ ”چٹ..... چٹ..... چٹ۔“

زخمی کے کمرے میں پہنچ کر اس نے وہاں بھی اندر ہرہا کر دیا اور دروازے کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ ”چٹ..... چٹ۔“ کی آواز اس کمرے میں بھی داخل ہوئی لیکن ٹھیک اسی جگہ غائب بھی ہو گئی جہاں تنویر کھڑی تھی۔

”مدونگا..... کیا تو میرے پچے کی بومجوں کر رہا ہے۔“ تنویر نے کہا۔

”ہاں..... کر رہا ہوں۔“

”دیکھ..... اسے کیا ہوا ہے۔“

”چٹ چٹ۔“ کی آواز پھر کمرے میں گوئی گلی اور پھر چند ہی لمحوں میں وہی پہلے کا سامانا طاری ہو گیا۔

شاید ایک منٹ بعد سکاریاں اور سیپیاں سانائی دیے گئیں۔

”تنویر.....!“ اندر ہرے سے آواز آئی۔ ”ستا..... یہ کسی کتے کے دانت ہیں۔ تیرا پچ مر جائے گا۔“

”کیا سکتا ہے.....!“ تنویر چھینی۔

”ہاں مر جائے گا..... مگر مدونگا اسے پجا سکتا ہے۔ پجا سکتا ہے تو۔“

”پچاۓ مدونگا۔“ تنویر گھمیا۔

”مگر میں روزانہ تیرے پیر چاٹوں گا۔“

”اچھا نہ رکے پچے۔“

بھیں جانے کے بعد ان سے خون ملتا رہے یعنی آدھ کے پارے اور وہ سارے کامسا را گزرنے خود تحریر اٹھا کر عمارت کے اس حصے میں لے جایا کرتی تھی۔

اس کے علاوہ آج تک وہاں پر نندہ بھی پر نہیں مار سکا تھا۔ اکثر اس حصے کی طرف سے عجیب و غریب آوازیں لوگ سنتے اور ہم جاتے گر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس حصے کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ تحریر کا خوف اس طرح ان لوگوں پر غالب تھا۔

دوسروں پر حکومت کرنے والی تحریر کی یہ رات بڑی بے چینیوں میں گزری جا رہی تھی۔ وہ بھی اٹھ کر شلنے لگتی۔ بھی بیٹھ جاتی۔ بھی کھڑکی کے قریب جا کر کھڑی ہو جاتی اور کپاڈ تھا میں پھیلے ہوئے اندر ہرے میں اس طرح گھونے لگتی جیسے اسے کسی کی تلاش ہو۔

اچانک اس کے کتوں نے آسمان سر پر اٹھایا اور تحریر بھٹ کر ایک الماری کے قرب پہنچنے۔ اسے کھول کر ایک روپ اور نکالا۔ کمرے کی روشنی گل کردینے کے بعد وہ پھر کھڑکی کے قریب آگئی۔ کتنے بدستور بھوکے چارہ ہے تھے۔

آج یہ کوئی نی پات نہیں تھی۔ کتنے روز ہی رات کو اسی طرح اچانک بھوکنے لگتے تھے لیکن اس سے پہلے بھی تحریر کو ریو اور نکالنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔

دونوں گئے تحریر ابھی تک جاگ رہی تھی وہ اپنے لاکے عدنان کے لئے بہت پریشان تھی اور ایک فرمدہ ماں کی طرح بکتیری اپھی اور بُری باتیں سوچ رہی تھی۔

اچانک اس نے عدنان کی چینیں سین، روشنی لاو۔۔۔ روشنی لاو۔۔۔ میں کہاں ہوں۔۔۔

یہاں بہت اندر ہرے ہے۔۔۔ کیا میں انہما ہو گیا ہوں۔۔۔

آواز بڑی تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں تحریر راہداری میں تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی عمارت کے اسی پر اسرا ر حصے کی طرف جا رہی تھی جہاں اس نے کسی پر چاپک بر سائے تھے۔ تاریک راہداریاں منور ہوتی چلی گئیں۔ پھر اسے عدنان نظر آیا۔ جو ایک دیوار کا سہارا لئے لڑکھڑا ہوا چل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

”عدنان.....!“ تحریر چھپنے اور عدنان پنے آنکھیں کھول دیں۔ وہ سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ تحریر نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

”تو میں گھر ہی میں ہوں۔“ عدنان کے ہوتوں پر بھیکی سی مسکرا اہٹ پھیل گئی۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے تحریر یکخت بدلت گئی ہو۔ اس نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔

”میں تم سے بہت ناراض ہوں عدنان۔“

”تھیں! می ڈیز! تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ میں واپس آ گیا۔ میرا گھوڑا کہاں ہے اور میری رافل۔“

”گھوڑا اصل بھی میں ہو گا۔۔۔ را فل کے متعلق مجھے علم نہیں۔ میں نے تمہیں اس شکار سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔“

”کیا تمہیں علم تھامی کہ مجھے یہ مادشو پیش آئے گا۔“ عدنان نے اسے گھور کر پوچھا۔

”پلو۔۔۔ اپنے کمرے میں چلو۔۔۔ تم کمزوری محسوس کر رہے ہو۔“

”میری بات کا جواب دو گی۔۔۔ کیا تمہیں علم تھا۔“

”شت آپ۔۔۔“

عدنان خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر پائے جانے والے آثار بھی کہر ہے تھے کہ وہ اپنی ماں کی ڈکٹیٹر شپ پسند نہیں کرتا۔ وہ اسے اسی کمرے میں لائی جہاں کچھ دیر قبل خود بیٹھی تھی اور اسے آرام کریں دھکلیتی ہوئی بولی۔ ”مجھے بتاؤ کر یہ سب کچھ کیسے ہوا۔“

”مجھے یاد نہیں۔۔۔ اور گی۔۔۔ اب میں سونا چاہتا ہوں۔ اف فوہ۔۔۔ لکتی جلن ہے میرے شانے میں۔“

”تم مجھے بتائے بغیر نہیں سو سکو گے، مجھے تمہاری یہ خودسری بالکل پسند نہیں ہے۔“

”سونے کی خواہش کرنا خودسری نہیں ہے۔۔۔ تم اب تک کیوں نہیں سوئیں۔“

”میری بات کا جواب دو۔۔۔ تم بہت بد تیز ہو توے جا رہے ہو۔“

”میں شاید موت کے مند سے نکل کر آیا ہوں گی!“ عدنان نے نکل لجھ میں کہا۔

”ہاں میں جانتی ہوں۔۔۔ مجھے اس کے متعلق بتاؤ۔“

”میں بتاؤں گا۔۔۔ اب مجھے سونے دو۔“

”تم بتائے بغیر نہیں سو سکتے۔ اگر مجھے تیرسی بار بھی بھی دہرانا پڑتا تو میں بہت بُری طرح

پیش آؤں گی۔ موت کے منہ میں جانا اور نکل آنا مردوں ہی کا کام ہے۔ اگر تم لاکی ہو تو تو میں کچھ پوچھ لیغیر ہی تمہیں تھپک کر سلا دیتی۔“

”میں نہیں جانتا کہ ماں کی شفقت کس چیزا کا نام ہے۔“ عدنان بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ ”تم حقیقتاً بہت بدتریز ہوتے جا رہے ہو۔ میں تم سے کبھی نہ بولوں گی۔“ تنویر نے اٹھ ہوئے کہا۔

”اوہ! می خفا ہو گئیں۔“ عدنان بے بُکی سے بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔..... بتاتا ہوں..... میں تھا شکار کے لئے نکل گیا تھا۔ نوکر خیسے میں تھے اور خیسہ مجھ سے تقریباً ڈینہ میل کے فاصلے پر تھا۔ ایک کتے نے پیچھے سے گھوڑے پر حملہ کیا اور گھوڑا بُدک کر بجا گا۔ میں نے مُڑ کر دیکھا، وہ کوئی جگلی کتاب نہیں معلوم ہوتا تھا۔ حقیقتاً کسی کا پالتو تھا۔ مگر جگل میں۔ میرا مطلب ہے کہ دیکھ آبادیوں میں ایسے کتب نہیں دکھائی دیتے۔ میرا گھوڑا بے تحاشہ دوڑ رہا تھا، لیکن کتنے سے اس کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ایک بار کتے نے چلا گک لگائی اور مجھ پر آ رہا۔ شاید اس کا جملہ میری گردن ہی کے لئے تھا۔ لیکن اس کے دانت شانے ہی میں ارتے چلے گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ میں نے اسے کس طرح جھک دیا تھا۔ گھوڑا دوڑتا ہی رہا۔۔۔ پھر بارش شروع ہو گئی۔۔۔ نہ جانے کیوں مجھ پر غشی کی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔۔۔ یہ بتاؤ میرا گھوڑا زندہ ہے یا مر گیا۔“

”مجھے علم نہیں ہے۔“

”علم ہونا چاہئے۔۔۔ میں وہ ایک بڑا شاندار گھوڑا ہے۔ اسی نے آج میری جان چھائی ہے۔“

”وہ کتنا کیسا تھا۔۔۔؟“

”اوہ۔۔۔ وہ۔۔۔ اس کا رنگ سیاہ تھا۔۔۔ اور جسم کی بنا دُر گرے ہاؤٹ کی سی تھی۔ لیکن میں نے آج تک سیاہ رنگ کا گرے ہاؤٹ نہیں دیکھا۔“

”کیا اس کے سر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔۔۔“

عدنان تھوڑی دریکٹ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میں نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔۔۔ ہو سکتا ہے دھاریاں رہی ہوں۔۔۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہ رہی ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ تمہیں اتنا ہوش کہاں رہا ہو گا کہ یہ دیکھتے۔“ تنویر نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ ”تم تو کسی شخصی پیچی کی طرح خوفزدہ ہو گئے تھے۔ عدنان کیا تمہیں روپا اور کی مشق نہیں ہے۔“ ”ہے کیوں نہیں۔۔۔ کیا تم یہ سمجھتی ہوئی کہ میں ڈر کر بجا گا تھا۔ گھوڑا بے قابو ہو گیا تھا۔ پھر عدنان آگیا۔ اگر تم اس طرح طفر کرو گی تو میں ابھی اور اسی وقت شکار گاہ والیں جاؤں گا۔“ ”خاموش ہی ہو۔۔۔ تنویر نے اسے ہٹک دیا۔ چند لمحے چپ رہی پھر پوچھا۔“ اس کتے کے ساتھ کوئی آدی بھی نظر آیا تھا۔“

”میں نہیں دیکھ سکا۔“ عدنان نے جواب دیا پھر بولا۔ ”کیا تم اس کتے کے متعلق کچھ جانتی ہو۔“ ”کیوں۔۔۔؟“ تنویر اسے گھوڑے لگی۔

”تم نے ابھی سفید دھاریوں کے تعلق پوچھا تھا۔“

”کچھ نہیں۔۔۔ بُونی۔“

”مجھے بتاؤ کہ وہ کس نسل کا تھا۔“

”میں نہیں جانتی، لیکن اب تم میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلو گے۔۔۔ سمجھے!“ ”کیوں۔۔۔ مجھے وجہ بتاؤ۔“

”تم واقعی بہت بدتریز ہو تے جا رہے ہو۔“

”غمی ڈیز! تم ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتی ہو۔۔۔ میں تمہاری پریشانی کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ تم کتنی دنوں سے پریشان نظر آ رہی ہو۔“

”تم مجھے پریشان نہیں دیکھنا چاہتے۔۔۔ کیوں؟“

”قدرتی بات ہے می۔“

”اچھا تو میں اس طرح خوش رہ سکتی ہوں کہ تم میرے کہنے پر عمل کرو۔“

”دیکھنی تمہاری اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ نکالو۔“

”ہاں۔۔۔ میں سبھی چاہتی ہوں۔“

عدنان نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ تھوڑی دریکٹ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”تم نے مجھے دہا دیمرے میں کیوں ڈال دیا تھا۔“

”ڈاکٹر نے بھی کہا تھا کہ تمہیں اندر میں ہوش آنا چاہئے۔“  
”اندر ا تو میرے کمرے میں بھی ہو سکتا ہے۔“  
”تم پھر بجھ کرنے لگا۔“

”ہاں تو میں تم سے کچھ پوچھا ہی نہ کروں۔“ عدنان نے شکایت آمیز لمحہ میں کہا۔  
”نہ پوچھا کرو۔“

”تم ابھی تک مجھے ایک نہما سا پچھھتی ہو۔ یہ مجھے پسند نہیں ہے۔“

”میری پسند تھاری پسند ہے..... اُسے بھیش یاد رکھنا۔ اب سو جاؤ۔“ تنویر اٹھتی ہوئی بولی  
عدنان خاموش ہی رہا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور اپنا نچلا ہوفٹ دانتوں میں  
دبا کر دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

تنویر اس کے کمرے سے نکل کر پھر عمارت کے اسی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ دروازے  
پہنچ کر وہ رک گئی۔

”مددگار مددگار۔“ اس نے آہستہ سے آواز دی۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ دو تین  
بار آواز دینے کے بعد وہ پھر رہائش ح صوں کی طرف پلٹ آئی۔

اب پھر بوندا باندی شروع ہو گئی تھی اور آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تنویر بیدار  
برآمدے میں نکل آئی۔ کپاڑ ٹسٹس ان پڑا تھا۔ درختوں سے بوندوں کے گرنے کی آوازیں بلد  
ہو رہی تھیں اور ہوا سائیں سائیں کرتی ہوئی گزر رہی تھی۔

تنویر نے برآمدے کے بلب نہیں روشن کئے۔ وہ ڈولتی ہوئی آگے بڑھی اور ایک آرام  
کری میں لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ صبح جو کیدار کی بڑی طرح خبر لے گی کیونکہ ان میں سے  
شاید ایک بھی نہیں جاگ رہا تھا۔

ریوال اور تنویر کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ آج سے پہلے بھی وہ اس طرح برآمدے میں آ کر نہیں  
بیٹھی تھی۔ نینداں کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور ذہن مختلف قسم کے خیالات میں بڑی طرح  
البھاہوا تھا مگر وہ خائف نہیں تھی۔

وہ بڑی پراسرار عورت تھی۔ اس کا لڑکا عدنان بھی اس کے کسی راز سے واقف نہیں تھا۔“

ہیں جانتا تھا کہ اُس کی ماں کون ہے؟ کیا ہے؟ وہ اپنے باپ کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔  
”یہ ہے کہ اُسے اپنے باپ کا نام تک نہیں معلوم تھا۔“

## ہم شکل مردہ

کرنل فریدی آفس میں اپنی میز پر اخبار پھیلائے بیٹھا تھا۔ حمید اور رمیش اپنی میزوں پر  
تھے۔ رمیش کاغذات میں الجھا ہوا تھا اور حمید..... وہ تو اب بھض فریدی کو چڑھانے کے لئے  
”نونو پلے پن اپ“ کے پر پے آفس میں بھی لانے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ پر پے کی ورق  
گردانی کر رہا تھا۔ اس میں ہالی وڈ کی ایکٹریوں کی نئی نسیم عربیاں تصاویر تھیں۔ کبھی کبھی وہ دور  
ہی سے رمیش کو بھی کوئی پوز دکھانے لگتا۔ فریدی اخبار میں جو تھا۔

اچاک لیڈی انسپکٹر ریکھا کمرے میں گھس آئی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور سانس پھولی ہوئی  
تھی۔ وہ آتے ہی اخبار پر جھک پڑی۔

فریدی نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ اُسے ریکھا سے اُسی بے تکلفی کی توقع نہیں تھی۔  
آن وہ اجازت لے کر بھی کمرے میں داخل نہیں ہوئی تھی۔“

”کیا بات ہے۔“

”اوہ..... میں معافی چاہتی ہوں۔“ ریکھا پڑا گئی۔ ”لیکن بات اُسی ہی ہے۔“

”کیا بات ہے..... بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے کری کی طرف اشارہ کیا۔

حمدی نے میز کی دراز سے دو تین پر پے اور نکال لئے۔ آج کل ریکھا سے اس کی بول  
چال نہیں تھی اور جھگڑے کی وجہ قائم تھا۔ قاسم آج کل زیادہ تر حمید ہی کے ساتھ رہتا اور ریکھا پر  
خاص طور سے اس کی نظر ثابت تھی بلکہ وہ حمید کے ساتھ اپنا زیادہ تر وقت اسی لئے گزارتا تھا کہ  
شاید ریکھا کا دیدار ہی نصیب ہو جائے مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔

اس جھگڑے سے پہلے وہ تینوں کبھی کبھی کہنے یا ہوٹل میں مل بیٹھا کرتے تھے۔ ریکھا قاسم

کی مھاتوں سے کافی محظوظ ہوتی، لیکن ایک دن جب حمید اور ریکھا آرچنڈ میں بیٹھے غپیں مار رہے تھے۔ قام آگیا اور اچانک ریکھا کی نظر قاسم کی کوٹ کی جیبوں پر پڑی، جو رہ رکھتی اور پچھتی ہوئی سی معلوم ہوئی تھیں۔ ریکھا کے استفار پر قاسم نے بتایا کہ وہ خرگوش کے پیچے لے پھر رہا ہے کیونکہ ریکھا کو خرگوش بہت پسند ہیں۔ شادر ریکھا نے پہلے بھی کسی موقع پر کہا تھا کہ اسے خرگوش بہت پسند ہیں۔ اگر امکان میں ہو تو وہ سارا دن خرگوشوں سے کھلتی رہے۔

قاسم نے اسے بتایا کہ اسے بھی خرگوشوں سے اتنی ہی محبت ہے۔ اس سلسلے میں اس نے شاید بولھانہٹ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اسے ریکھا سے بھی اتنی ہی محبت ہے، ریکھا اس پر اکھڑا گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم کی ٹھکھی بندھ گئی اور حمید اس کی صفائی پیش کرنے لگا۔ پھر بات اتنی بھی کہ دنوں میں لڑائی ہو گئی۔ اسی دن سے دنوں میں بول چال بندھ گی۔

”ہاں.....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا اس اخبار میں پکھہ ہے۔“ ”بھی ہاں..... میں اس تصویر کے متعلق پکھ کہنا چاہتی ہوں۔“ ریکھا نے اخبار کی ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہ..... یہ ..... ہاں..... کیوں؟ یہ سعید بابر کی تصویر ہے، جو ابھی حال ہی میں جوںی افریقہ سے ہماں آیا ہے۔“

حمد نے بہت زور سے اپنے گال پر چھپڑا اور پھر ریکھا کو غصیلے انداز میں گھونسہ دکھانے لگا۔ فریدی اسے سکھیوں سے دیکھ کر پھر ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔

”اگر میں یہ کہوں کر میں نے کچھ دن پہلے اس آدمی کی لاش دیکھی تھی تو....!“ ریکھا جملہ پورا نہ کر پائی کیونکہ حمید ریکھا کو مخاطب کر کے بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”اس اطلاع پر میں اپنا سر بھی منڈوا سکتا ہوں۔“

”فی الحال تم باہر چلے جاؤ۔“ فریدی غرایا۔ ”بہت بہتر جناب۔“ حمید پن اپ کے پر پچھے سنجاتا ہوا اٹھنے لگا۔ وہ فرش پر گر گئے۔ حمید انہیں اٹھانے کیلئے جھکا۔ کئی پر پچھے کھل گئے تھے جن میں بڑی بڑی نیم عریاں تصویریں تھیں۔

”گٹ آؤٹ۔“ فریدی جلا گیا اور حمید پر چوں کو دین فرش پر جھوڑ کر باہر نکل گیا۔

”میش.....!“ فریدی نے کہا۔ ”انہیں سمیت کر باہر پھینک دو۔“

ریکھ اٹھ کر پر پچھے سیٹنے لگا اور فریدی نے ریکھا سے کہا۔ ”ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔“ ریکھا، جو ریکھ کو پر پچھے سیٹنے دیکھ رہی تھی چوک پڑی۔ ”جی ہاں! آپ یعنی کچھ میں نے اس کی لاش دیکھی تھی۔“

”کب دیکھی تھی..... اور پھر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ اسی کی لاش رہی ہو گی۔“ ”اگر وہ محض مشاہدہ تھی تو مجھے حیرت سے بھی زیادہ پکھہ اور ہونا چاہئے۔“

”ہاں..... آں..... اکثر ایسی مشاہدیں بھی ہوتی ہیں۔ خود میرے تجربے میں ایسے واقعات آئے ہیں۔ میرے کئی کیسوں میں ایسی شکلیں سامنے آچکی تھیں۔“

”مگر جناب اور مشاہدہ ہی سمجھی۔ میں نہ جانے کیا محسوس کر رہی ہوں۔“ ”اس لائن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت تم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ہم اسے چھٹی حس کہتے ہیں۔ خیر قدم کیا محسوس کر رہی ہو۔“ ”ریکھا نے کہا پھر ریکھ میش کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”تم نے بھی اس مغلوب فقیر کو صدر کے علاقے میں کہیں کہیں ضرور دیکھا ہوگا، جو بڑی عجیب قسم کی دعائیں دیا کرتا تھا۔“ ”جی ہاں..... میں نے دیکھا ہے۔“ ریکھ نے جواب دیا۔

”ذرا یہ تصویر دیکھنا۔“ ”ریکھ اٹھ کر میز کے قریب آگیا۔ کچھ دیر تک سر جھکائے تصویر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ بڑی مشاہدہ ہے بلکہ بعض حالات میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنوں میں سرمنور قبضہ نہیں۔“ ”مگر یہ فقیر تمہیں یاد کیسے رہ گیا۔ دن بھر سینکڑوں فقیر تمہاری نظروں سے گذرتے ہوں گے۔“

”جناب اور فقیر ہی عجیب ہے۔“ ریکھ نے کہا۔

”بے نہیں پنکھا..... کیونکہ میں اس کی لاش دیکھ چکی ہوں۔“

”کب..... کیا وہ مر گیا۔“ ریکھ نے پوچھا۔

”عاماً پچھلے پختے کی بات ہے۔ پھر میں نے اس آدمی کو۔“ ریکھا نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ ”کل شام ایک کار سے اترتے دیکھا۔ اگر میں اس فقیر کی لاش نہ دیکھ چکی ہوتی تو.....“

آپ خود سوچئے۔

”ہم..... مجھے بتاؤ کہ وہ فقیر عجیب کیوں تھا۔“

ریکھا اور ریش ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہا گئے۔ پھر ریش نے کہا۔ ”حمد بھائی نے بھی اس فقیر کو دیکھا ہوگا۔ وہ بہت اچھی طرح بتا سکیں گے۔“

”حمد کو بلاو۔“

سارجنٹ ریش باہر چلا گیا اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ جبراکراہ اس معاملے میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ریکھا نے جتنے جوش و خوش کے ساتھ تنگ کر چھینا تھا اس کی مناسبت سے وہ توجہ بھی دے رہا تھا۔ اگر وہ اسے کوئی اہمیت نہ دیتا تو ریکھا کو خواہ جلوہ شرمندگی ہوتی۔ وہ حمید کی آمد کا منتظر رہا۔

حمد ریش کے ساتھ واپس آیا۔ شاید اس نے فریدی کی جھٹکوں کا اُنہیں مانا تھا کیونکہ وہ اُس وقت بھی بڑے اچھے مود میں نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ ریکھا سے بول چال بند تھی اس نے آتے ہی ریکھا سے کہا۔

”خواہ جلوہ..... بات کا بتگلڑ بنانے سے کیا فائدہ۔ میں نے بھی اخبار میں سعید بابر کی تصویر دیکھی تھی اور خاموش رہ گیا تھا۔“

”یہاں مسلکہ زیر بحث یہ ہے کہ وہ فقیر اسی شدت سے لوگوں کے ذہنوں پر کیوں مسلط ہا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا ان لوگوں نے نہیں بتایا۔“ حمید بولا۔

”ان کا خیال ہے کہ تم ان سے بہتر طریقہ پر بتا سکو گے۔“

”ہا.....!“ حمید سر کھجا کر بولا۔ ”وہ کچھ اس انداز میں بھیک مانگتا تھا کہ لوگ کھرے گھٹ شادیاں کرنے پر تل جاتے تھے۔ آپ سنتے تو اسے گولی ہی مار دیتے۔“

”کیا بکواس ہے۔“

”بن ہاں..... اس کی صدا ہوتی تھی دے جالبا۔..... خدا تیری محبوبہ کو سلامت رکھے۔“

”تند رستہ ہو کھے۔ وہ کبھی بوزہی نہ ہو۔۔۔ پچھے نہ جتنے..... وغیرہ وغیرہ۔“

فریدی نے ریش کی طرف دیکھا اور ریش نے اثبات میں سرہلا دیا۔ ریکھا کھڑکی کے کیمپنے لگی تھی۔

”مگر کیا یہ کوئی کیس بن رہا ہے۔“ حمید نے برا سامنہ بنا کر پوچھا۔

”شاید بن ہی جائے۔“ فریدی نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوے..... پن اپ کے پرچے کیا ہوئے۔“ حمید نے ریش سے پوچھا۔

”باہر پھیک دیئے۔“

”کیا.....؟“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔

”کرٹل صاحب نے کہا تھا۔“

”تم یہاں آفس میں اس قسم کی غیبات مت لایا کرو۔“ فریدی نے سخت لمحہ میں کہا۔

”ایک کیس کے سلسلے میں لایا تھا جتاب۔“ حمید نے بڑی بندگی سے کہا اور ریکھا مکرا پڑی۔ لیکن اس نے منہ بھی پھیر لیا کہ کہیں حمید کی نظر اس کی مکراہست پر نہ پڑ جائے۔

”ہاں تو فقیر کی لاش بھی تم نے دیکھی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”بھی..... جی ہاں..... غالباً وہ سردی سے اکٹھا کمر گیا تھا۔ اُنکی دونوں ٹالکیں بیکار تھیں۔“

”اچھا..... اور کیا بتا سکتی ہو اس کے متعلق۔“

”اور کیا! اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے اس کی لاش سات جنوری کی شام کو دیکھی تھی۔“

”اچھا تو بس.....!“ فریدی نے سگار کیس سے لگا، نکال کر اس کا گوش توڑتے ہوئے کہا۔ ”یہ ایک حرث اگلیز واقعہ ضرور نہیں ہے، مگر ایسا بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ ہمارا جگہ اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو۔“

”مگر یہ سعید بابر افریقہ سے آیا۔“ ریکھا نے کہا۔

”تو کیا ہم پر اچھا ہے بلے۔ حمید گردن جھٹک کر بولا۔ ”آیا ہوگا۔“

”میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔“

”میں بھی سن رہا ہوں..... بہر انہیں ہوں۔“

زیوی بھی تھی مگر اس کا موڈٹھیک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ آج بھی وہی نفخی منی کی گڑیا لگ رہی تھی۔ ایسی خوبصورت عورت حمید کی نظر سے کم گذری تھیں۔ مگر بیچارہ قاسم کیا کرتا۔ اس کا تو پہاڑ، بھگری والا معاملہ تھا۔ وہ تو کوئی اپنی یعنی جسی گرفتاری لڑکوں کی چاہتا تھا۔

حمد کار سے اُتر کر سیدھا پوریکو کی طرف چلا گیا۔ قاسم ہمتوڑا بر سانے والے توکروں پر بگز ہے تھا۔

”اور زور سے.....ابے سالو! کیا کھانے کو نہیں ملتا۔“

”ایک سر پر بھی جادو.....دیکھا جائے گا۔“ حمید نے کہا۔

”ارے خدا تمہیں غارت کرے تم آگئے۔“ قاسم نہ جانے کیوں بوكھلا گیا۔

”ہاں میں آگیا ہوں اور اس پتھر پر کھڑا ہو کر ایک تقریر کروں گا۔“

”ہاں میں.....آڈا چھا۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کمزور ہوں۔“ قاسم نے کہا اور پھر نوکروں کو مخاطب کر کے دہاڑا۔ ”ہٹ جاؤ بے۔“

تو کہت گئے اور حمید پتھر پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بڑی مشکل سے اُسے کامیابی ہوئی۔ قاسم کی سالیاں بے تحاشہ بہن دی تھیں اور یہوی!..... وہ بیچاری تو حمید کی صورت دیکھتے ہی وہاں سے کھک کئی تھی۔ وہ بچاتی تھی کہ اب قاسم کی خیر نہیں۔ آخر کو یہوی ہی تھی۔ ویسے ہی وہ اس کی حماقتوں کی بناء پر دوسروں کے سامنے شرمende ہی رہتی تھی۔ اب حمید صاحب بھی تشریف لائے تھے، جو کچھ نہ ہو جاتا کم تھا۔

حمد پتھر پر چڑھنے کو چڑھا تو گیا مگر ڈر رہا تھا کہ کہیں یک بیک قاسم کی ذہنی رو بہک نہ جائے۔ ایسی صورت میں اُسے شہادت ہی نصیب ہوتی پہلے اکاراہد تھا کہ قاسم کا بچیہ ادھیرے کا مگر اب یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔ پتہ نہیں کب قاسم جھلا کر پتھر سیست اُسے زمین پر چڑھ دے۔

حمد نے جھک کر نیوں کو سلام کیا اور چپ چاپ اُتر گیا۔

”اماں..... وہ تقریری!“ قاسم نے کہا۔

”تقریر وہاں سے کروں گا۔“ حمید نے لڑکوں کی طرف اشارہ کیا۔

”چلو بے! توڑ پتھرا!“ قاسم نے نوکروں کو لکارا۔ ”جب تک پتھر نہیں نوٹے گا چھٹی نہیں

فریدی کری کی پشت سے ٹیک لگا کر اخبار پڑھنے لگا تھا۔ ریکھا اٹھ کر چل گئی اور حمید اس کی چال کی تقلیل اتنا نے کے سلسلے میں لپکنے لگا۔ اس دوران میں ریمش بھی شاید کسی کام سے باہر چلا گیا تھا۔

”تم سے میں عاجز آ گیا ہوں۔“ فریدی نے اخبار رکھتے ہوئے کہا۔

”عاجزی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یقیناً آپ مقبول بندے معلوم ہوتے ہیں۔“

”کیوں! آج کہیں سے بھیک مل رہی ہے۔ بہت چمک رہے ہو۔“

”حیل روزی بہانہ موت۔ آج کل قاسم کی دو تین خالہزادے سالیاں مجھ پر بہت مہربان ہیں اور میں اب اس کا قاتل ہو گیا ہوں، خواہ یہوی نہ ہو، لیکن ایک آدھ سالی ضرور ہونی چاہئے۔ کتنی نعمتگی ہے اس لفظ میں ”سالی“..... سالی..... سالی.....!“

حمد اس طرح سالی سالی کی ہاں لگانے لگا جیسے اپنی پالتونکیا کو واڑے رہا ہو۔

فریدی نے نہایت اطمینان سے اٹھ کر اس کے دونوں کان پکڑے اور اُسے دروازے کی طرف گھما کر کمر پر ایک لات رسید کر دی۔ حمید سنان برآمدے میں دور تک دوڑتا چلا گیا۔ پھر اُسی رفتار سے لان کی طرف گھوم گیا اور اب وہ بڑے اطمینان سے نہ ملتا ہوا اُدھر جا رہا تھا جہاں فریدی کی کار کھڑی کی جاتی تھی۔ اُسے علم تھا کہ فریدی ڈینہ بجے کے بعد باہر جائے گا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اُس کی کار لے اڑا۔ آخر لات کا بدلہ بھی تو ہونا چاہئے تھا۔

اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی جہاں آج کل قاسم کی یہوی کی تین عدالت خالہ اور ماموں زاد بھیں مقیم تھیں۔ یہ تینوں ہی بڑی زندہ دل اور خوش مزاج تھیں۔ ویسے قاسم جیسے شخص کی ہم شیئی نے ان صفات کو اور زیادہ چکا دیا تھا۔

وہاں ہر وقت ہی کوئی نہ کوئی تفریخ ہوتی رہتی تھی۔ مگر اس وقت کی تفریخ طبعی خلاف تو تھی۔ اُس نے قاسم کو پورچھ میں چنت پڑا دیکھا جس کے پیٹ پر ایک بہت بڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔ پتھر کیا چیز کا گلکرا کہنا چاہئے جس کا وزن کم از کم پچاس من ضرور رہا ہو گا اور اس پتھر پر قاسم کے دونوں گردے بڑے ہمتوڑے پرسار ہے تھے۔

قاسم کی سالیاں اوپر برآمدے میں جیت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔ ان کے قریب اس

بیں، لیکن قاسم نے حمید کو آنکھ مارتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے بولکلا کر لڑکیوں کی طرف دیکھا گروہ  
ہٹنے کی بجائے پس رہی تھی۔ قاسم کی کھوپڑی یکخت الٹ گئی اور حمید کو بھی دھیان نہیں رہا کہ  
اس نے کیا کیا تھا، کونکہ یہ سب کچھ روا روی میں ہوا تھا۔

اپنک قاسم نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”آؤ..... میرے ساتھ۔“ گرفت اتنی سخت تھی کہ حمید  
و اپنی کلائی ٹوٹی ہوئی سی محسوس ہونے لگی۔ مگر وہ چپ چاپ اسکے ساتھ چلتا رہا۔ ہاتھ پائی میں  
پی ہی بے عزتی تھی۔ قاسم اسے لڑکیوں کے سامنے ہی اٹھا کر خیج دیتا۔ وہ اُسے عمارت کے عقبی  
بے کی طرف لے گیا اور گیان پکڑ کر چھینھوڑتا ہوا بولا۔ ”تم نے سلیمانہ کو آنکھ کیوں ماری تھی۔“  
اب حمید کو یاد آیا اور اُس کے پیروں تسلی سے زمین نکل گئی۔ آسان سر پر گرتا محسوس  
ہونے لگا۔ جس وقت قاسم غصے میں ہوا سے کوئی بات سمجھا لینا آسان کام نہیں تھا۔ بہر حال حمید  
نے ہاتھ پاؤں مارے۔ ”ارے! یا ر تم بالکل ہی بھولے ہو..... کیا وہ بُرانگی تھی۔“

”مانے یا نہ مانے..... لیکن تم نے کمیت پن کیوں کیا۔“

”اگر یہ کمیت پن ہوتا تو ضرور بُرانگی..... ذرا اٹھنے دل سے سوچو۔“

”خیں میں گرم دل سے سوچوں گا..... میری بات کا جواب دو۔“

”اس طرح اگر میں تمہارے باپ کو آنکھ ماروں تو وہ بھی بُرانگی مانیں گے۔“

”میرے باپ کو آنکھ مارو گے۔ ہڈیاں نہ چبا جاؤں گا تمہاری۔..... یہ جال۔“

قاسم نے گریبان کو جھکا دیا اور حمید کی روشن فنا ہو گئی۔

”اچھا ایک بات سمجھنے کی کوشش کرو۔“

”دُس سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر تم نہ سمجھا سکتے تو میں قبر گھوڑ کر دفن کر دوں گا سمجھے۔“

میرے باپ کو آنکھ ماریں گے، بڑے مارنے والے..... ہاں۔“

”تم کسی عورت کو مان کہتے ہو۔“

”میری ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی۔“

”پرواہ مت کرو! میں تو ایک مثال دینے جا رہا تھا تم کسی عورت کو ماں کہو تو وہ خوش ہو گی۔“

لیکن اسکو باپ کی جورو کہہ کر دیکھ لو کیا حشر ہوتا ہے تمہارا۔ حالانکہ باپ کی جورو ہی ماں ہوتی ہے۔“

”ٹلگی۔“

نوکر پہلے ہی سے پینے پینے ہو رہے تھے۔ انہوں نے بڑے ملجنہ انداز میں لڑکیوں کی  
طرف دیکھا اور ایک لڑکی نے کہا۔ ”اب اسے ختم کیجئے..... کوئی دوسرا کرجب۔“

”آدم تمیوں پتھر پر کھڑی ہو جاؤ۔“ قاسم نے کہا۔

”ہاں..... یہ بڑی معمول بات ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”بلکہ کہو تو اپنی بیوی کو بھی  
بلاؤں۔“

”بلاؤ۔“ قاسم نے جھوک میں کہا۔ پھر فراؤ ہی سنبھل کر بولا۔ ”کون..... بیوی۔“

”کہاں ہے تمہاری بیوی۔“

”ابھی اندر گئی ہے۔“

”کیا.....!“ قاسم حلیق پتھر کر دھاڑا۔ پھر کروٹ لے کر پتھر کو ایک طرف دھکیل دیا اور خود

اثھتا ہوا بولا۔ ”کیا کہا تم نے۔“

”میں نے کہا تمہاری بیوی کو بھی بلاؤں۔“ حمید نے پیچے بٹتے ہوئے کہا۔

”تائیں..... تم نے اپنی بیوی کہا تھا۔“

”تمہارے سنتے میں فرق آیا ہے پیارے۔“

”تم خود ہو گے پیارے۔ میں گردن توڑوں گا تمہاری۔“

”اب ریکھا سیدھی ہو گئی ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا، ”تمہیں پوچھ رہی تھی۔“

”خیں! لا قسم۔“ قاسم کے ہونتوں پر ایک شر میلی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

”ہاں..... بس خاموش ہو۔“ حمید نے جواب دیا۔ اُنکی سر گوشیاں لڑکیوں تک نہیں پہنچی تھیں۔

پھر دونوں ہننے لگے۔

”ہاں.....!“ ایک لڑکی بولی۔ ”ابھی تو آپ حمید صاحب کو مارنے دوڑے تھے۔“

”ارے وہ..... وہ تو میں مذاخ کر رہا تھا۔“ قاسم نے جواب دیا۔

”قاسم کے مذاق بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔“ حمید نے اُن میں سے ایک لڑکی کو آنکھ مار کر کہا۔ ظاہر ہے کہ اُس آنکھ مارنے کا مقصد اپنی بات میں زور پیدا کرنا ہوتا تھا۔ وہ تینوں پس

”اُرے وہ خود ہی آجائے گا۔“ قاسم سرہلا کر بولا۔ ”مگر سعید... سعید نہیں کھو... میرے ہاتھ ملکو ہے۔“

”ہم نہیں کیا کہہ رہے ہیں آپ۔“ لڑکی بولی۔ ”سعید بابر... بار برفیں۔“

سعید بابر کے نام ہی پر حید کو جھوٹ جھوٹی سی آگئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سالا کمل ہی ہیں چھوڑتا۔ ہملا یہاں بھی سعید بابر کے تذکرہ کی کیا ضرورت تھی۔

”اچھا... اچھا... وہی جس کا تذکرہ کل کیا تھا۔“ قاسم نے مسکرا کر کہا۔ ”بُوا عجیب نام ہے، سعید بابر بالکل شیرپر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ گلبگاری کا پچھلکھلو تو میں اس کی گردن مرزوڑ سا گا... ہاں یہ سالے نام بھی بڑا دھوکا دیتے ہیں... نام پہلا خان اور خود جھوٹ کی اولاد۔“

”قاسم یار... تم تو فلسفی ہوتے جا رہے ہو۔“ حید نے حرمت سے کہا۔

”اور کیا... ہاں نہیں تو سالے۔“

پھر حید نے اس لڑکی سے پوچھا۔ ”آپ سعید بابر کو کیسے جانتی ہیں۔ وہ تو شاید افریقہ سے ہے۔“

”میں اُسے افریقہ ہی سے جانتی ہوں۔ نیرو بی میں میرے چھا کا بُونس ہے۔ میں بھی ہاں تین سال رو چکلی ہوں... اور ہو... آپ بھی چلتے... بُرالطف رہے گا۔ آپ یقیناً اُسے ہند کریں گے۔“

”یہم لوگ کسی کو بھی پسند نہیں کرتے۔“ قاسم نے مُراسامنہ ہاتھ کر کہا۔ ”کیوں حید بھائی۔“ حید نے قاسم کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ ”میں اُس سے ضرور طوو گا۔ مجھے افریقہ ہات پسند ہے۔ مگر آج تک جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔“

”اُرے تمہارے لئے کیا مشکل ہے حید بھائی۔ کوئی کیس ہنا۔ میں چلتے چلیں گے۔ ہی کیا یعنی... وہاں کی یالا بیان کسی ہوں گی۔ ہی ہی کیا یعنی۔“ قاسم بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

”یالا بیان کیا چیز۔“ تینوں لڑکوں نے حرمت ظاہر کی۔

”اُرے وہ کچھ نہیں۔ ہمی ہاں تو آپ کب جائیں گی وہاں۔“ حید جلدی سے بولا۔

”میں جعل رہے ہیں۔“ اس نے کہا اور لاکیاں واپس جانے کے لئے مڑیں اور قاسم

”اچھا میں سمجھ گیا۔ آگے کہو۔“

”کیا کہوں۔ تھیں دنیا کا کچھ تجربہ ہی نہیں ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے۔ کسی چیز کا

مطلوب نہیں سمجھتے۔“

”اُرے تم تو بڑے قابل ہو۔ پھر بتاؤنا۔“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

”آنکھ مارنے کے انداز میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک آنکھ اس طرح ماری جاتی ہے کہ لوگ بُرآمان جاتے ہیں، لیکن اگر تم اپنا ایک گال پھلا کر آنکھ مارو تو کوئی بھی بُرآنہیں مانے گا۔ آیا سمجھ میں۔۔۔ تم اس طرح کسی کو آنکھ مار کر دیکھنا۔“

قاسم کا ایک گال غیر ارادی طور پر پھولتا چلا گیا۔ لیکن پھر آنکھ مارنے کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی کیونکہ اس طرف کی آنکھ خود بند ہو گئی تھی۔ قاسم چند لمحے کوشش کرتا رہا پھر بڑی سنبھیگی سے بولا۔ ”نہیں بتا۔“

”اچھا دھر دیکھو۔“ حید نے اپنا ایک گال پھلا کر اُسے آنکھ ماری۔

”تم سے تو بن جاتا ہے۔“ قاسم نے بے بُس سے کہا۔ ”مگر اپنا یہ سالا گال ہی ایسا ہے کہ چھوٹ کر آنکھ پر چڑھ جاتا ہے۔ اچھا اگر دوسرا آنکھ مارنے تو۔۔۔“

”کوئی حرج نہیں ہے۔“ حید نے بڑے خلوص سے کہا۔

قاسم نے پھر ایک طرف کا گال پھلا کیا اور دوسرا طرف کی آنکھ مارنے کی کوشش کی، لیکن وہ آنکھ صرف بند ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ ایک آنکھ تو پہلے ہی بند ہتھی۔

”کیوں! بنا کر نہیں۔“ قاسم نے حید سے پوچھا۔

”بننے لگے گا۔۔۔ تھوڑی مشق کی ضرورت ہے۔ سب تھیک ہو جائے گا۔“

قاسم نے حید کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہیں دھوپ میں کھڑے کھڑے مشق شروع کر دی تھی۔ اب وہ بھی بھول گیا تھا کہ حید کو یہاں لایا کیوں تھا۔

”ابے نہیں بتا حید بھائی۔“ قاسم نے پھر بڑی بے بُس سے کہا۔ اتنے میں وہ تینوں لاکیاں وہاں آگئیں۔

”اُرے بھائی صاحب۔“ ایک نے قاسم سے کہا۔ ”کیا سعید بابر کے یہاں نہیں چلتا ہے۔“

”یار حمید بھائی..... بڑی بوریت رہے گی۔ کل میں نے یوں ہی وعدہ کر لیا تھا۔ کل اس سالے کی ترقیوں کی پلی باندھے جا رہے ہیں۔“  
 ”چلو دیکھتے ہیں۔۔۔ ذہب پر آگیا تو مرغا۔“

”ہا۔۔۔!“ قاسم حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس شانے پر کوئی بڑی سی چیز آگری ہو۔ وہ دونوں پورچ کی طرف جا رہے تھے۔ اچانک آواز دماغ پھر سنک گیا اور پلتے پلتے رک کر غصیل آواز میں بولا۔ ”تم اپنے گھر جاؤ۔“  
 ”کیوں۔۔۔؟“

”تم آج کل بھاں روزانہ آ رہے ہو۔۔۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔۔۔ نہیں تم اپنے گھر جاؤ۔“  
 ”کیا سمجھتے ہو۔“

”تم ان تینوں کی وجہ سے آتے ہو۔“

”اچھا تو پھر۔۔۔!“

”اچھا تو پھر۔۔۔ یہ کہ چپ چاپ چلے جاؤ۔“

”اچھا۔۔۔ تو پھر میرا نام حمید ہے سمجھے! تمہارے گلے میں رسی ہو گی اور میں سارے شہر میں ڈگڈگی بجاتا پھر دوں گا، اچھا میں پلی دیا۔“ حمید اپنی کار کی طرف بڑھا۔

اچانک سلیمہ نے برآمدے سے آواز دی۔ ”کیا آپ جا رہے ہیں۔ آپ نے تو ساہنے پلے کیا تھا۔“

”انہیں جانے دو۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”ان کے۔۔۔ ان کے پیٹ میں وزدہ ہو رہا ہے۔“ حمید کار میں بیٹھے چکا تھا، لیکن اشارات بھی نہیں کر پایا تھا کہ سلیمہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

”کیا بات ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”قاسم بھگا رہا ہے۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”اس کا خیال ہے کہ میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں آتا ہوں۔“ حمید ٹکو گیر آواز میں بولا۔

”ان کا بھی دماغ خراب ہے شاید۔۔۔ آپ چلے۔۔۔ میں بھی چل رہی ہوں۔“ سلیمہ  
 ”واز کھول کر اندر بیٹھ گئی۔“  
 حمید نے کار اسٹارٹ کر دی اور قام۔ ”ہائی ہائی۔“ کرتا ہوا دوڑا لیکن کار پھاٹک سے  
 نذر بھی تھی۔ قام پلٹ کر اپنے گیراج کی طرف لاٹھنے لگا۔

## دوسرے پر فائز

تو یہ بھی تھا باہر نہیں نکلی تھی۔ اس کے ساتھ ہمیشہ دو باڑی گارڈ ہوتے تھے اور دونوں اپنے پاس بھرے ہوئے روپ اور رکھتے تھے اور اب کچھ دونوں سے وہ عذرنا کو بھی تھا باہر نہیں نکلے دیتی تھی۔ دو باڑی گارڈ اس کے ساتھ بھی رہا کرتے تھے۔

یہ چاروں آدمی بظاہر سید ہے سادے اور بے ضرر تھے، لیکن ان کی حقیقت صرف تغیری کو معلوم تھی۔ یہ چاروں اول درجے کے بدمعاش، سازشی اور قاتل تھے۔ ویسے یہ تغیری سے بہت ڈرتے تھے۔ اس کے ایک اشارے پر اس طرح آگے بڑھتے تھے میں پا تو کتے ہوں۔

اس وقت وہ تغیری محل کے ایک کمرے میں بیٹھے شاکر تغیری کے خطرت تھے۔ وہ بالکل خاموش تھے اور ٹکر مند نظر آ رہے تھے۔

تحوڑی دیر بعد تغیری کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں آج کا اخبار تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ مکڑے ہو گئے۔ تغیری نے سر کی جبکش سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ موڈب بیٹھ گئے۔

”تم لوگوں کو شکایت تھی کہ میں تم سے کبھی کام نہیں لیتی۔“ تغیری ایک کری سمجھ کر بیٹھ گئی ہوئی بولی۔ ”مگر اب کام کا وقت آگیا ہے۔“

وہ بڑی توجہ سے اس کی لٹکنگوں رہے تھے۔ تغیری نے اخبار میز پر پھیلا دیا اور اخبار میں بچپی ہوئی ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اس آدمی کو جہاں دیکھو گوی مار دو۔“

وہ باری باری سے اس تصویر کو دیکھنے لگے۔ پھر ایک نے پوچھا۔ ”یہ رہتا کہاں ہے۔“

”ٹلاش کرو۔“ توبیر نے کہا۔ ”خبر میں اُس کا پتہ نہیں ہے۔“

”ہم جلد سے جلد اسے پہنانے کی کوشش کریں گے۔“

”میں اتنا ہی کہنا تھا۔“ توبیر اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بھی اٹھے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ باہر نہیں چل گئی۔

پھر وہ بیٹھ کر ایک دوسرے کی طرف متین خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا۔

”محترمہ توبیر بڑے دل گردے کی عورت ہیں۔ انہوں نے اس طرح اس قتل کا حکم صادر فرمایا ہے جیسے ہمیں سعید بابر کے سر میں تسلی ماش کرنی ہے۔“

”کیا اس کے متعلق اخبار میں کوئی خبر بھی ہے۔“ دوسرے نے پوچھا۔

”ہاں ہے تو۔“ پہلے نے اخبار پر نظر جاتے ہوئے کہا۔ ”یہ شریعتی سے آیا ہے، وہاں کوئی بہت بڑا آدمی ہے۔ اس میں یقین ہے کہ وہ اپنے اعزہ سے ملنے کے لئے یہاں آیا ہے۔“

”اور مادام توبیر چاہتی ہیں کہ ہم اُسے گولی مار دیں۔“ تیرابولا۔

”ہمیں اس سے عرض نہ ہونی چاہئے۔“ چوتھے نے ناخنکوار لبھ میں کہا۔ ”حکم... حکم ہے۔“

”ہم کب کہہ رہے ہیں کہ حکم نہ مانیں گے۔“

اچانک عدنان کمرے میں داخل ہوا اور وہ پھر کھڑے ہو گئے۔ عدنان نے مسکراتے ہوئے انہیں بینچئے کا اشارہ کیا۔

”آج کل تم لوگ بیکار ہو۔“ عدنان بیٹھتا ہوا بولا۔

”نہیں! ہم مادام کا ضروری کام کر رہے ہیں۔“

”کون سا کام۔“

”اوہ.... جتاب آپ کے زخم کا کیا حال ہے۔“ ایک نے دھکا پوچھا۔

”تم بڑے گدھے ہو..... جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں، اُس کا جواب دو۔“

”جتاب عالی..... آپ خود خیال فرمائیں..... ہم کیسے ملتے ہیں۔“

”کیا! تمہیں بتانا پڑے گا۔“

”بہتر یہ ہو گا کہ آپ ہمیں شوٹ کر دیں ورنہ مادام کا غصہ ہمارے لئے نوت سے بھی زیادہ بھیاں ہو گا۔“

”میری کوئی وقت نہیں ہے..... کیوں؟“ عدنان نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”نہیں جتاب..... ہم آپ کے لئے بھی جان دینے کو حاضر ہیں۔“

عدنان کچھ دیرک خاموش رہا پھر بولا۔ ”اچھا میرے لئے بھی ایک کام کرو۔“

”فرما یئے..... جتاب۔“

”مجھے وہ کتا چاہئے جس نے ہمارا گاہ میں مجھ پر چل کیا تھا۔“

”کتا.....!“ چاروں نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں..... وہ کتا ہی تھا۔ سیاہ رنگ کا اوپر چاہا سا کتا..... جنم کے ساخت گرے ہاؤڈ کی سی تھی اور شاکر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔“

”ہم اُسے ٹلاش کرنے کی کوشش کریں گے جتاب۔ مگر کیا وہ بہت خطرناک ہے۔“

”شاید خطرناک ہی ہے۔“

”آپ اُس کی لاش چاہتے ہیں۔“

”نہیں زندہ..... لاش کیا کروں گا۔“

”ہم اپنائی کوشش کریں گے۔“

عدنان بھی اٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد کافی دیرک خاموشی رہی پھر ایک نے آہستہ سے کہا۔

”دونوں ہی عجیب ہیں..... ہم کتنے دنوں سے یہاں ہیں، لیکن ہمیں آج تک مادام کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔“

”مگر اس آدمی سعید بابر کو ہم کہاں ٹلاش کرتے پھریں گے۔ بڑا ٹیڑھا کام ہے۔“

”کچھ بھی ہو..... ہمیں یہ کام کرنا ہی پڑے گا۔“ اس محض آدمی نے کہا جو کم بولتا تھا اور بقیہ

تینوں اس کا احترام بھی کرتے تھے۔

کھلتے اور پچدار دانتوں کی قطار جھاٹکنے لگتی۔ آنکھوں میں شوخی عود کر آتی اور اس کا بہم تترتا سامحسوس ہونے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا جیسے الیگ ان جیس کی پلشیں اس کے سے نکل رہی ہوں۔

”مگر ہم کہاں چل رہے ہیں۔“ سلیمان نے تھوڑی دری بعد پوچھا۔  
”ہم کیوں نہ افت کے پار چلیں۔“

”آ..... آہا..... تو اب آپ مجھ سے رومنی قسم کی گفتگو کریں گے۔ اچھا چلئے میں شرم اپ کیا کہیں گے آپ۔“

”اب میں یہ کہوں گا کہ دنیا کے ہر آدمی کو فرشتوں کی طرح زندگی بسر کرنی چاہئے۔“  
”میں آپ کے متعلق بہت کچھ من چکی ہوں۔“

”اور اب مجھ میں یہ جملہ سننے کی تاب نہیں رہ گئی۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔  
”شہر کی جس تھی لوکی سے ملاقات ہوتی ہے وہ میرا نام معلوم ہو جانے کے بعد یہی کہتی  
ہے۔ آخر آپ میرے متعلق کیا سن چکی ہیں۔“

”کچھ نہیں..... کوئی اور بات کیجئے۔“  
”آپ ہی چھیریجئے کوئی بات۔“  
”نہیں آپ تو باتوں کے ماہر ہیں۔“

”خیر میں ہی شروع کرتا ہوں..... سعید بابر سے آپ پہلے بھی.....!“  
”نو..... نو..... پلیز..... سعید بابر کی باتیں سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ پتنہیں راحل کو اُن میں کون سی خوبیاں نظر آئی ہیں۔ نہیں سعید بابر کے علاوہ اور کوئی بات۔“

”سراغِ رسانی سے دچپی ہے آپ کو۔“ حمید نے پوچھا۔  
”بہت زیادہ..... حد سے زیادہ..... میرے لئے آپ میں صرف یہی ایک کشش ہے۔“

”ویسے میں بالکل الوکا پٹھا ہوں..... کیوں؟“  
”نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ آپ کچھ اور نہ سمجھتے گا۔“  
”اور کیا سمجھوں گا۔“

”وہ تو ہے..... لیکن اگر ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکتے تو۔“

”بس یونہی خیال ہے..... ناکامی کی صورت میں ہمارا کیا حشر ہو گا۔“

”ناکامی کی بات ہی نہ سوچو۔ میں اسے شارعِ عام پر گولی پر لے کر کھا۔“

”سوچ سمجھ کر دعویٰ کرو۔ آج کل یہ سب کچھ بہت مشکل ہو گیا ہے۔ جب سے سارو

لباس والوں کا چارچ کریل فریدی نے لیا ہے، بہت کم جرام ہو پاتے ہیں۔“



حمدی کا فرائٹے بھر رہی تھی اور سلیمان پہلے پہل تھا اس کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ ان تینوں میں یہی تھی بھی سب سے زیادہ زندہ دل۔ اسکی کہ حمید اس کی ہم شنی میں بوریت نہیں محسوس کر سکتا تھا۔

”آخ ر آپ دونوں کے تعلقات کیسے ہیں۔“ سلیمان نے پوچھا۔

”بہت ہی دلچسپ۔“ حمید بولا۔ ”وہ خود میں تعلقات قائم کرتا ہے، اور بکاڑا بیٹھتا ہے۔“

”مگر بیگم صاحبہ تو کہتی ہیں کہ آپ ہی نے انہیں بکاڑا رکھا ہے۔“

”غلط کہتی ہیں۔ میں نے اسے بکاڑا نہیں بلکہ ہاتھی بنا لیا ہے۔“

سلیمان پہلے تو بھی پھر آہستہ سے غموم لجھ میں بوی۔ ”دونوں کی زندگی بر باد ہو گی ہے۔

”میں تو لخت بھیتی ہوں ایسی شادی پر۔“

”مگر مجھے بے جوڑ شادیاں بہت پسند ہیں۔ اگر بیوی یا شوہر پسند کامل جائے تو زندگی محدود ہو جاتی ہے۔ آدمی مطمئن ہو جاتا ہے۔ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کی زندگی میں بس یہی ایک کی رہ گئی تھی، جو پوری ہو گئی۔ اب اسے کچھ نہیں کرنا ہے۔“

”واہ.....! یہ آپ کیسے کہ سکتے ہیں۔“

”قائم ہی کی مثال لے لیجئے۔ اگر بیوی پسند کی ملی ہوتی تو وہ اپنے بیٹھ پر پتھر نہ تزوہتا، منہ سے لوہے کے گولے نہ کھاتا۔ موٹی موٹی سلاخیں نہ موزہتا۔“

سلیمان پھر ہنسنے لگی۔ اس کے ہنسنے کا انداز حمید کو بہت پسند تھا۔ بھرے بھرے سے ہوٹ

”اوہ.....آپ اپنی بات کچھے۔ ہاں مجھے سراغِ رسانی سے بہت دچھپی ہے۔“  
 ”اچھا تو اگر آپ کسی مظلوم فقیر کو بیمار جانوروں کی طرزِ ریج کر بھیگ مانچے  
 دیکھیں پھر اچانک ایک دن آپ اس کی لاش بھی دیکھ لیتیں..... اور کچھے دنوں کے بعد یہ  
 بیک سعید بابر آپ کے سامنے آ جاتا۔ تو....!“

”کیا بات ہوئی۔ میں خاک بھی نہیں سمجھی۔“

”کچھ دنوں بعد سعید بابر اس طرح آپ کے سامنے آیا کہ اس مظلوم مردہ فقیر اور سر  
 بابر میں سر موافق نہیں تھا۔“

”کیا مطلب....؟“

”دلوں کی شکلیں ایک تھیں۔“

”نہیں....!“

”یہ حقیقت ہے..... میں سینکڑوں آدمیوں کی شہادت دلوں کا ہوں۔“

”اوہ.....تب میں یقیناً اس کا تذکرہ منتپسند کروں گی۔“

”کیا آپ کی عدم موجودگی میں وہ لوگ سعید بابر کے یہاں جائیں گے۔“

”پہلے سے وقت مقرر کئے بغیر وہ کسی نے نہیں ملتا۔“

”اس کا باپ بھی ملے گا۔“

”کیے....!“

”اوہ..... کیچھن حمید آف انٹلی جس بیرونی سے ملنے سے کون انکار کرے گا۔“

”واہ..... یہ تو تمہیک ہے مگر آپ اس سے کیوں ملتا چاہتے ہیں۔“

”کچھ نہیں بس ایک نظر دیکھوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی تصویر اس سے مختلف ہو۔ اکثر  
 ایسا بھی ہوتا ہے مگر کیا آپ کو اس کا پتہ معلوم ہے۔“

”پتہ..... وہاں شاید وہ لکنکس لین کی کسی عمارت میں مقیم ہے۔“

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ لکنکس لین میں اُسے کہاں تلاش کریں گے۔“

”آپ تو سراغِ رسان ہیں۔“

”چلے!“ حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”بھی سمجھی۔“

اُسے اطمینان تھا کہ وہ کار میں بیٹھے ہی بیٹھے اس کی قیام گاہ کا پتہ لگا لے گا۔ وجہ یہ تھی کہ  
 آج کل سادہ لباس والوں کا انچارج فریڈی تھا اور اس نے انہیں کچھ اس انداز میں پھیلایا تھا  
 کہ شہر کے ہر حصے میں دو ایک سادہ لباس والے ہر وقت موجود ملتے تھے۔

حمد نے کار لکنکس لین کے موڑ پر روک دی اور ادھر اُھر دیکھنے لگا۔ سڑک کی دوسری  
 طرف ایک سادہ لباس والا موجود تھا۔ حمید نے اُسے اشارے سے بلایا۔ وہ بڑی تیزی سے کار  
 کے قریب آیا۔

”لیں سر....!“

”پتہ لگاؤ کہ سعید بابر کہاں تھا ہوا ہے۔ وہ افریقہ سے آیا ہے۔“

”رسول نبیر کی کوٹھی میں جتاب..... وہ موجود ہے۔ ایک انگریز بیکری شری اور تین ملازم ایک  
 چھوٹی سی بوئے بالوں والی کتیا بھی ہے۔“

”بہت خوب! تم لوگ بہت تندی سے کام کر رہے ہو۔“

”لیں سر....!“

”اب تم جاسکتے ہوں۔“

”وہ سلام کر کے چلا گیا۔“

”یہ سب کتنا سنسنی خیز ہے۔ میرے خدا.....!“ سلیمان نے پر سرت لجھ میں کہا۔

”اُبھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔“ حمید نے کہا اور کار لکنکس لین کے اندر موڑ دی۔  
 یہاں دو دنوں طرف بڑی شاندار عمارتیں تھیں۔ ان کی کار سول نبیر کی کوٹھی کے سامنے رک  
 گئی۔ حمید کار کو کمپاؤٹر کے اندر نہیں لے گیا۔ وہ دو دنوں اُتر کر پھاٹک میں داخل ہوئے اور  
 برآمدے میں ایک صاف سترے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ حمید نے اُسے اپنا کارڈ دے کر  
 کہا۔ ”ضروری کام ہے۔“

”صاحب تو سور ہے ہیں..... میں مس صاحب کو اطلاع کئے دیتا ہوں۔“

”صاحب سے کام ہے..... خیر..... مس صاحب ہی سمجھی۔“

”آپ یہاں تشریف رکھئے۔“ اس نے نشست کے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور خود اندر چلا گیا۔

وہ اس کمرے میں آئے۔ سلیمان چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

”آپ مس صاحب سے مل کر کیا کریں گے۔“

”یہ تو اس سے ملنے کے بعد ہی سوچوں گا کہ کیا کرنا چاہئے۔“

سلیمان خاموش ہو گئی۔ مگر شاید اسے اس طرح انتظار میں بینٹھا گراں گذر رہا تھا۔ حمید بھی خاموش تھا۔ اچانک قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر دوسرا بھی لمحے میں حمید کو ایسا جھسوں ہوا جیسے وہ حق خواب دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی اور اس مغلوب فقیر میں اگر کوئی فرق تھا تو بھی تھا کہ یہ اپنے ہمراوں پر کھڑا تھا اور وہ بچارا ہمراوں سے محفوظ ہونے کی بنا پر گھشتا پھرتا تھا۔

حمد فوراً بھی سنبھل گیا۔ اس نے اپنے چہرے سے استجواب نہیں ظاہر ہونے دیا۔ سعید با بر مصافی کے لئے ہاتھ بڑھائے آگے بڑھا۔

”میری خوش تھتی ہے کہ آپ تشریف لائے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔“ اس نے بڑی گرم جوشی سے مصافی کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”ایک ضمنی کی کارروائی ہے۔ مجھے اکثر باہر سے آئے ہوئے لوگوں سے پوچھ چکھ کرنی پڑتی ہے۔ میں صرف آپ کے پاس پورٹ پر ایک نظر ڈالوں گا۔“ اچانک حمید کو قاسم کا قہقهہ سنائی دیا اور حمید کی روح فنا ہو گئی۔ دوسرا طرف سعید با بر شاید تو گر کو بلانے کے لئے گھشتی کا بیٹن دبارہ تھا۔

”دوسرا بھی لمحے میں راحلہ، نجمہ اور قاسم کمرے میں داخل ہوئے۔“

”ہائیں تم یہاں.....!“ قاسم بھاڑ سامنہ کھول کر رہا گیا۔

”ہاں.....میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں۔“ حمید نے جواب دیا۔

”اوہ آپ مس راحل.....!“ سعید با بر راحل کی طرف بڑھا۔

”نجمہ سلیمان سے بولی۔“ یہ کیا حرکت تھی۔ ”بہر حال کمرے میں عجیب کی افراتقری بیج گئی۔“ ہر

یہ بوكلا یا ہوا سامنے ہو رہا تھا۔ شاید ایک منٹ بعد حالات اعتدال پر آئے۔

حید راحل سے کہہ رہا تھا ”آپ کے پاس سے میں یہیں آتا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ بھی یہیں آنے والی ہیں تو میں نے کہا کہ پہلے ہی اپنا کام نپانا چلوں۔ مگر محترمہ سلیمان زبردستی میرے ساتھ چلی آئیں۔“

قاسم نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور بند کر لیا۔

”اوہ ہو.....ایہ میری مزید خوش تھتی ہے کہ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔“

سعید با بر نے دوبارہ حمید سے مصافی کرتے ہوئے کہا۔

آس کا طلب کردہ تو کر آگیا تھا۔ آس نے اس سے کہا۔ ”مس براؤن کو بھیج دو۔“

قاسم منہ چلانے لگا۔ پھر آس کے ہونٹوں پر ایک شریری مکراہٹ نظر آئی اور اس نے دسروں کی نظر بجا کر حمید کو آٹکھ مار دی۔

”ہم تین سال بعد ملے ہیں محترمہ راحلہ۔“ سعید با بر نے راحلہ سے کہا۔ ”آپ یہاں کب سے مقیم ہیں۔“

”ہم ابھی حال ہی میں آئے ہیں۔“

”بڑی اچھی ملاقات رہی۔ خصوصاً آپ سے۔“ اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”میں بڑی شدت سے ایک ہمدرد آفسیر کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اور اب تو آپ آفسیر ہی نہیں بلکہ دوست بھی ہیں۔ میرے دوستوں کے دوست! یعنی میرے بھی۔“

”میرے لائق کوئی خدمت.....“

”اگر اس نشست کے بعد آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتے تو شکر گزار ہوں گا۔“

”بات کوئی ایسی پوشیدہ بھی نہیں مگر دسروں کے بور ہونے کا اندازہ ہے۔“

”نہیں آپ ہر قسم کی گھنگٹو چیز سکتے ہیں۔“ راحلہ نے کہا۔ ”بور ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

انتہے میں تو کرنے آ کر اطلاع دی کہ مس براؤن موجود نہیں ہیں۔

”اوہ اوہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔“ سعید نے کہا۔ ”ٹھیک ہے..... وہ اندر نہ ہو گی۔“

پری ایسی اہم بات بھی نہیں تھی۔ بہر حال ایک رات وہ ہم لوگوں کیلئے ہیئت کیلئے غائب ہو گیا۔

قائم نے بھاڑ سامنے پھیلا کر آواز کے ساتھ جہانی لی اور منہ چلاتا ہوا ایک ایک ایک کی درت دیکھنے لگا۔ پھر اس طرح پلکشیں جپکا میں جیسے سوتے اٹھا ہو۔

”پھر اچاک مجھے اس کا ایک خط ملا، جو ہمیں سے پوٹ کیا گیا تھا۔ یہ پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ اس نے اپنی ختنہ حالی کی داستان لکھی تھی۔ میں نے اُسے لکھا کہ وہ نیرودی والوں از جائے لیکن اس نے وہاں آنے سے انکار کر دیا۔ اس نے مجھے لکھا کہ وہ زیادہ کام طالب ہیں کرتا اسے صرف اتنا ہی دینا رہوں جس سے وہ با فراغت برا وقت کر سکے۔ میں اُسے تین ہزار روپے ماہوار الائینڈ بینک کی معرفت پہنچنے لگا۔ اس سے خط و کتابت بھی برادر رہتی تھی۔ ابھی پچھلے اس بھی اس نے الائینڈ بینک سے تین ہزار روپے وصول کئے تھے۔ اتفاقاً میرا بھائیں آنے کا پروگرام بن گیا۔ میں نے اُسے بھی اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اب جو میں اس کی قیام گاہ پر جاتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس نام کا کوئی آدمی کبھی تھا نہیں۔ اس عمارت میں ایک یہہ مسز خان تقریباً ہمیں سال سے رہتی ہے۔ میں نے پڑوں میں سے بھی اس کی تصدیق کی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ رشید بابر نامی کسی آدمی کوئی نہیں جانتے۔“

”کیا آپ کے بھائی آپ کے ہم فلکل تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”جی ہاں..... ہم میں بہت زیادہ مشاہدہ تھی۔ ..... خیر..... اب اپنے ہم فلکل ایک فقیر کی کھانی سن رہا ہوں۔ میں بڑی الجھن میں ہوں پکتان صاحب۔ اگر رشید وہ رقم وصول کرتا رہا تو اسے بھیگ مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اسے رقومات نہیں ملیں تو پھر انہیں کون وصول کرتا رہا۔ اگر وہ فقیر میرا ہم فلکل تھا تو وہ رشید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”وہ یقیناً آپ کا ہم فلکل تھا۔“ حمید نے ایک طویل سانس لی۔

”کیا آپ نے اُسے دیکھا تھا۔“ سعید نے بیساخت پوچھا۔

”جی ہاں..... میں عرصہ تک آپ کے ہم فلکل ایک فقیر کو دیکھتا رہا ہوں۔“

”اب مجھے یقین آگیا۔“ سعید نے آہستہ سے ٹکٹکن آواز میں کہا اور بجان سا ہو کر سو فٹ کی پشت پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی پچھی پچھی اسکی آنکھوں میں دیرانی تھی۔ پھر اس نے تھوڑی دیر بعد

پھر اس نے اُن لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”آپ سب اپنے ہی ہیں۔ میں یہاں اُر ایک بہت بڑی الجھن میں گرفتار ہو گیا ہوں۔“

سب لوگ خاموشی سے اس کے درمیے جملے کے خظر رہے۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ داستان کہاں سے شروع کروں۔“ اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ویسے میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہاں میری فلکل و مشاہدہ کا کوئی فقیر بھی آپ کی نظر دی سے گزر رہے۔“

”ارے ہی ہی ہی۔“ قاسم ہنا۔ ”یہ آپ کیا فرمائے ہیں۔“

سلیمان نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبادی۔

”آپ نے نہیں دیکھا۔“ سعید نے مالوی سے کہا۔ ”خیر..... لیکن ایسا سننے میں آرہا ہے اور میں بہت پریشان ہوں۔“

”کیا سننے میں آرہا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ایسے ہی ایک فقیر کے متعلق.... خیر مشاہدہ ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ اکثر ایسا بھی ہونا ہے اور محض مشاہدہ کی بہاء پر میں پریشان نہیں ہو سکا۔ مگر....!“

حمدید کو الجھن ہونے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہ جائے۔ گرو رک رک کر بول رہا تھا۔ سب لوگ بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ صرف قاسم ایسا تھا جو بار بار پہلو بدلتا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بندی طرح اکتا گیا ہو۔

”خیر میں یہ بات دہیں سے شروع کرتا ہوں۔ جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ میرا ایک سو یا بھائی تھا۔ تیرہ یا چودہ سال کی عمر میں وہ نیرودی سے فلکل بجا گا۔ پچپن ہی سے اُس کی حالت عجیب تھی۔ وہ رات رات بھر گھر سے غائب رہتا۔ لیکن والد مر جنم اس سے بخی کا برداشت کبھی نہ کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اُسے اُن کے بے جا لاؤ ہی نے بگارا تھا۔ اُس کی ماں یعنی میری سوتی والدہ اس کے پچپن ہی میں مر گئی تھیں۔ مختصر مراحل آپ کو تو ان حالات کا علم ہو گا۔“

”نہیں میں نہیں جانتی۔“

”خیر آپ نہ جانتی ہوں گی۔ بہت پرانی بات ہوئی۔ شائد نیرودی والوں کو بھی یاد نہ ہو اور پھر

کہا۔ ”میرے خدا..... یہ کیا اندر میرے ہے کہ وہ بھیگ مانگتا پھر رہا ہے اور کسی نے پچھلے ماہ بھی اس کے نام سے تین ہزار روپے وصول کئے ہیں۔ میں نے الائیٹ بینک میں اچھی طرح تحقیق کی ہے۔ اس کا حساب بھی وہاں چلتا تھا۔ آخری رقم جو اس نے وہاں سے نکالی ہے وہ پچاس ہزار روپے اور تین ہزار تو ہر ماہ وصول کرتا رہتا تھا۔“

”وہ رقم کس تاریخ کو نکالی گئی تھی۔“ حید نے پوچھا۔

”میرے بیہاں پہنچنے سے تین دن پہلے یعنی..... سات جنوری کو۔“

”سات جنوری.....!“ حید بے ساختہ چونک پڑا۔

”جی ہاں..... اسی تاریخ کو اس نے پچاس ہزار روپے بینک سے نکالے تھے اور یہ آخری بڑی رقم تھی۔ اب اس کے اکاؤنٹ میں صرف سات روپے پڑے ہوئے ہیں۔“

”سات روپے..... سات جنوری۔“ حید بڑھا۔ ”اور یہی سات جنوری اس کی موت کی بھی تاریخ ہے۔“

”موت....!“ سعید باہر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”یہ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”کسی نہ کسی سے تو آپ کو اس کی اطلاع ملنی ہی تھی۔“ حید نے آہستہ سے کہا۔

”جی ہاں..... سات جنوری کو اس کی لاش صدر کے ایک فٹ پاتھ پر دیکھی گئی تھی۔“

وہ دسم سے صوف میں اگر گیا اور تین لاکیاں اس کے گرد اکھا ہو گئیں۔ وہ بیہوں تین ہوا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے سکتے ہو گیا ہو۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن پلکیں یا پتلیاں متخرک نہیں تھیں۔

اچانک ایک فائزہ ہوا اور گولی راحله کے سر پر سے گزرتی ہوئی سامنے کی دیوار سے گلی۔ کھڑکی کے شیشے میں ایک ناہوار سا سوراخ تھا۔ راحله تو ہرام سے فرش پر آ رہی اور دوسرے لوگ بدھوایی میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ حید اچھل کر رہا ہے میں آ رہا۔ اس نے اس کھڑکی کی طرف دیکھا جس سے گزرا گولی اندر پہنچی تھی اور پھر اس کے سیدھے میں دوڑنے لگا، لیکن اس کے سامنے والی مہندی کی باڑھ کے ویچھے اسے کوئی بھی نہیں دکھائی دیا۔ سعید کے تینوں توکر شاید فائز کی آواز سن کر ہی باہر آئے تھے۔

## فائز اور لڑکی

حید نے کپاڈٹ کا چپہ چپہ چھان مارا، لیکن اسے ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل سکا ہے وہ ناز کرنے کے الزام میں جکڑ لیتا۔ پھر اس نے عمارت کے اندر بھی چھان میں شروع کی، لیکن نتیجہ کچھ نہ تکلا۔ سعید باہر بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

”ہو سکتا ہے کہ یہ فائز میرے ہی لئے رہا ہو۔“ اس نے کہا۔

”آپ کے لئے کیوں؟“

”جو میرے بھائی کی موت کا باعث بنا ہے، وہ میری زندگی کا خواہاں بھی ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نے رشید کے نام پر ایک لاکھ اسی ہزار روپے وصول کئے۔ اب جب کہ میں یہاں آ گیا ہوں، لازمی بات ہے کہ ان واقعات کی روپرٹ پولیس کو دوں گا۔ لہذا قبل اس کے کہ میں ان کے خلاف کوئی کارروائی کروں، وہ مجھے بھی ختم کر دیتا چاہتا ہے۔“

”تائیں..... تائیں۔“ قاسم حید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ ”یہ بڑا منہوں آدمی ہے۔ جہاں اس کے قدم جاتے ہیں، مخاکیں مخاکیں شروع ہو جاتی ہے۔“

”نہیں جتاب یہ میری خوش قسمی ہے کہ کپتان صاحب یہاں اس وقت تشریف رکھتے، ورنہ غیر ملکیوں کی شکایات پر کون کان دھرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔“

”بڑی خوش قسمی۔“ قاسم نے اسمنہ بنا کر بولا۔ ”ذریلاو۔..... وہ کون ہے میں بیک..... اسے بلاڈ پھر دیکھوں خوش قسمی۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ سعید باہر نے کہا۔

”قاسم بھائی..... کیا کو اس لگا کر کی ہے آپ نے۔“ راحله نے اسے ڈانٹا اور قاسم نے اسے منہ بنائے ہوئے دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

سعید باہر حیرت سے ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ راحله نے اپنی داہنی کپٹی کے

سعید بابر کے ہاتھ پیر بڑی طرح کاپنے لگے تھے۔ آنکھیں  
یہت سے پچھلی ہوئی تھیں اور وہ کسی اعصاب زدہ آدمی کی طرح مجبوٹ المحوال نظر آ رہا تھا۔  
”یہ..... یہ کپتان صاحب..... میری سکرٹری..... مس براؤن۔“

”تو پھر نکلنے تا..... پسند نہیں یہ لاش ہے یا۔!“

”لاش....!“ سعید بابر کے حلق سے تیخ سی انکلی اور لڑکھڑا تا ہوا دیوار سے جال گا۔  
”آپ بھی کمال کرتے ہیں۔“ حمید جھنگھلا گیا اور خود ہمی سے اسے بورے سے نکالنے کی  
بخش کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک بڑی خوبصورت انگریز لڑکی فرش پر چت پڑی ہوئی  
تھی۔ وہ مردہ نہیں تھی۔ صرف بیوی تھی۔ مگر اب سعید بابر خوفزدہ نہیں تھا۔ البتہ اس کے چہرے  
بھرت کے آثار ضرور تھے اور اس کا ملازم بھی تحریر ہی نظر آ رہا تھا۔

”کیا یہ نہیں پڑی رہے گی۔“ حمید نے کہا۔

”جی....!“ سعید بیسانہ چونک پڑا۔ ”جی ہاں..... جی نہیں۔“

”مسٹر سعید۔“ حمید بولا۔ ”مجھے بڑی بھرت ہے۔ اس فائزے نے آپ کو اتنا زیادہ پریشان  
نہیں کیا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔“ سعید بولا۔ ”یہ واقعہ اس فائزے سے بھی زیادہ بھرت انگریز ہے۔“  
”نہیں میرے خیال سے یہ بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ممکن ہے اس نے فائزے  
کرنے والے کو دیکھ لیا ہو۔ یعنی فائزے کرنے سے قبل! اور وہ اپنی ایکیم کو ناکام ہوتے دیکھ کر یہ  
 حرکت کر بیٹھا ہو۔“

”مگر..... میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔“

”کیا مطلب....!“ حمید چونک کر اسے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”کیا مس براؤن نہیں ہے۔“

”نہیں..... یہ مس براؤن نہیں ہے۔“ سعید نے پر سکون لجھ میں جواب دیا۔

حمدی نے نوکر کی طرف دیکھا اور نوکر بھی سر ہلا کر بولا۔ ”یا اپنی مس ساب نہیں ہیں۔“

”آپ اسے پہچانتے بھی نہیں۔“

”نہیں جناب..... مجھے بھرت ہے۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“

قرب انگلی لے جا کر اسے چکر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قاسم کا اسکر یوڈھیلا ہے۔

”اوہ..... اچھا....!“ سعید بابر پھر حمید سے مخاطب ہو گیا۔ ”ہاں تو..... جناب اب میری  
زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے، لیکن میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ  
اُس مردوں کا پتہ نہ لگ جائے جس کی بدولت میرا بھائی ایڑیاں رگڑ کر مر گیا۔“

”قدرتی بات ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

اچانک ایک نوکر دوڑنا ہوا کمرے میں آیا۔ اس کی سانسیں چھمی ہوئی تھیں اور چہرہ سرخ  
تھا۔ ”مس صاحب....!“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ”گوادام میں..... بورے میں!“

”کیا بات ہے۔“ سعید بابر اسے گھوڑے لگا۔

”مس صاحب..... گوادام میں بیویوں.....!“

”ارے....!“ وہ دروازے کی طرف چھپتا ہوا بولا۔ ”کپتان صاحب۔“

”آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔“ حمید نے دوسروں سے کہا اور اس کے پیچے چلا گیا۔ ابھی

دروازے سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ قاسم پر بڑا یا۔ ”کھالیتا..... مس ساب کو..... ہاں۔“

راحلہ اس پر برس پڑی۔

سعید بابر بڑی تیزی سے راہداری طے کر رہا تھا۔ پھر وہ ایک کمرے کے سامنے رکے  
جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ سعید بابر اندر جاتے ہوئے پہنچا رہا ہے۔ وہ  
شاید اس نوکر کا مختصر تھا جس نے اُسے اطلاع دی تھی۔

”کہاں مر گئے تھے۔“ وہ اچانک نوکر پر برس پڑا جو لگڑا تا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

شاید اس بھاگ دوڑ میں اس کے پیارے چوتھا آگئی تھی۔

”اندر جناب..... وہ ادھر....!“

”چلو....!“ سعید بابر نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ نوکر کے پیچے عی پیچے وہ دونوں  
بھی اندر داخل ہوئے۔

حمدی کو سامنے ہی دو تاگیں نظر آئیں جن پر کمشٹی رنگ کے اتنا لگ تھے اور اتنا پہل  
جو تھے..... آدھا دریاکی بورے میں تھا۔

”میں براون کہاں ہے۔“  
”وہ دکھنے کے لئے باہر گئی ہے۔“  
”مگر آپ کے ملازم نے تو کہا تھا کہ صاحب سور ہے ہیں۔ میں مس صاحب کو خبر کرتا ہوں۔“  
”میری جگہ اگر آپ بھی ہوتے تو یہی کرتے۔“  
”یعنی.....!“

”آپ خود سوچنے کپتان صاحب، ایسے آدمی کی حالت کیا ہوگی جس کا کوئی ہم شکل فیض  
بھی موجود ہو۔ تصویر شائع ہوتے ہی پر لیس روپورڈوں کا تار بندھ گیا۔ سینکڑوں آدمی بھی دیکھنے  
کیلئے آئے۔ میرے خدا..... میں حیلہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔ لسلی براون لوگوں سے گفتگو کرتے  
کرتے تک آگئی اور اسے بھی میں جانا پا۔ ملازم کو شاندی علم نہیں تھا کہ وہ باہر جائی ہے۔“  
”اوہ..... اچھا! مگر یہ واقعی بڑی حرمت اگنیز بات ہے۔ گولی باہر سے چلائی گئی تھی۔ اگر  
اس لڑکی نے حملہ آور کو دیکھ لیا تھا تو حملہ آور نے اسے بیہوش کر کے یہاں اندر لانے کا خطرہ  
کیوں مول لیا۔ وہ اسے کپڑاٹھی میں کھینچ بیہوش کر کے ڈال سکتا تھا۔“  
”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کپتان صاحب۔ آخر سے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔  
میں یقیناً کسی بہت بڑی سازش کا شکار ہو گیا ہوں۔“

”چند لمحے خاموش رہ کر پھر حید نے کہا۔“ کیا یہ یہیں پڑی رہے گی۔“  
”جو کچھ آپ فرمائیں کیا جائے۔“ سعید نے جواب دیا۔  
”اسے کسی ہوادار کمرے میں لے چلنا چاہئے۔“

”نہیں!“ سعید بولا۔ ”بیرونی برآمدے میں..... نہ جانے یہ ہوش میں آکر کون سافتنے  
کڑا کرے۔ نہیں کپتان مجھے بہت محاط رہنا چاہئے۔“  
”ہوں.....!“ حید نے سر ہلا دیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اسے اس کو اٹھانے میں بھل  
نہ کرنی چاہئے۔ سعید باہر حید کی طرف دیکھ رہا تھا۔  
”اسے اٹھائیے۔“ حید نے کہا۔  
”میں کیوں اٹھاؤں۔“ سعید باہر بھجنٹلانے ہوئے سے لجھ میں بولا۔

حید نے فوکر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کاغذ پر ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ پھر حید نے بیہوش لڑکی کو  
انہلی اور بیرونی برآمدے کی طرف جانے والی رہداری طے کرنے لگا۔ سعید باہر اس کے پیچے  
تر رہا تھا۔

قائم کی نظر اس جلوس پر پہلے پڑی اور وہ میساختہ چکھاڑا۔ ”دیکھا..... میں نہ کہتا تھا..... ہاا۔“  
”چلو..... ایک صوفہ اخھالاً اندر سے.....!“

”اچھا..... اچھا.....!“

قائم نے ڈرائیکٹ روم کا ایک صوفہ اس طرح اخھالیا جیسے وہ کوئی کھلونا ہو۔ صوفہ  
برآمدے میں ڈال دیا گیا اور بیہوش لڑکی اس پر ڈال دی گئی۔ قائم منہ کھولے پلکیں جھپکا رہا  
تھا۔ بھی وہ حید کی طرف دیکھا اور کبھی بیہوش لڑکی کی طرف۔ تینوں لاکیاں بھی وہیں پہنچ گئی تھیں۔  
تقریباً پانچ دفعہ یا میں متک و مختلف تدبیریں عمل میں لاتے رہے لیکن اسے ہوش نہیں  
آیا، مگر اس دوران میں نہ تو سعید ہی نے کسی ڈاکٹر کو بلانے کی تجویز پیش کی اور نہ ہی حید نے  
اس کے متعلق سوچا۔

پورے آدھ گھنٹے کے بعد لڑکی کسمائی۔ پوٹوں میں متواتر جنینش ہونے لگیں اور پھر اس  
نے کروٹ لینے کی کوشش کی، لیکن بلیں اگر جلدی سے آگے بڑھ کر ہاتھ نہ لگاڑتی تو وہ صوفے  
کے نیچے چل آئی ہوتی۔ سلیمانہ کا ہاتھ لگتے ہی وہ اچھل کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر  
چاروں طرف دیکھتی رہی پھر ہدیانی انداز میں چھنی۔

”میں یہاں نہیں رہوں گی..... میں اس ملک میں نہیں رہوں گی۔“

”وہ سب خاموش رہے۔“

”مسٹر باہر میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔“ وہ پھر اسی انداز میں چھنی۔ ”میں واپس جاؤں گی۔“

”آپ مجھے کیا جائیں..... آپ کون ہیں۔“ باہر نے پوچھا۔

”کیا.....؟“ لڑکی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”آپ کون ہیں! یہاں کیسے آئیں۔“ باہر نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

”میں مذاق کے موٹ میں نہیں ہوں۔“ لڑکی نے برا سامنہ بنا کر لمحے لمحے میں کہا۔ ”میرا

”تب تو پھر وہ نشے میں ہیں یا انکا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آپ ان نوکروں سے پوچھئے۔“  
مگر نوکروں نے بھی اُسے لسلی تعلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

”اب تم کیا کہو گی۔“ حمید بولا۔ ”یہ بھی تمہیں پہچانے سے انکار کرتے ہیں۔“

لسلی براؤن غصیلی آنکھوں سے ایک ایک کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سعید بابر سے کہا۔  
”مشر بابر میں کیا سمجھوں۔ کیا آپ یہاں ایک اجنبی ملک میں مجھے ملازمت سے برطرف کرنا  
چاہتے ہیں۔“

”کپتان صاحب! میں تجھ پاگل ہو جاؤں گا۔“ سعید بابر نے حمید سے کہا۔ ”یہ کوئی  
بہت بڑی سازش ہے۔ اسے حرast میں لجھے۔ مگر لسلی براؤن..... وہ یقیناً خطرے میں ہوں  
گی۔ یہ لوکی نکل کر جانے نہ پائے ورنہ لسلی براؤن کی موت کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔“

”آپ تنائی اخذ کرنے میں جلدی کر رہے ہیں۔“ حمید نے خلک لجھے میں کہا۔  
پھر لوکی سے بولا۔ ”تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ لسلی براؤن تم ہو۔“

”ثبوت..... خدا کی پناہ..... ارے ثبوت میں میرے کافذات موجود ہیں۔ میرا پاپورٹ  
جس پر میری تصویر موجود ہے۔“

”میں پاپورٹ وکھنا چاہتا ہوں۔“

”میں ابھی لاتی ہوں.....!“ وہ اٹھ کر عمارت کے اندر جانے لگی۔

”ہاں میں..... ہاں میں۔“ سعید بابر تمیر انداز میں چینا۔ ”اندر کہاں..... خبردار“  
لوکی نے دروازے پر کر کر اُسے غصیل نظر والے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ میرا  
سامان بھی ہضم کر لیں گے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ اپنے صندوق سے پاپورٹ  
ٹکالوں گی۔“

”کیا میں خوب دیکھ رہا ہوں۔“ سعید بابر نے اپنے بازو میں زور سے چکلی لی اور ”سی“  
کر کے رہ گیا۔

”میں اور مشر بابر تمہارے ساتھ چلیں گے ٹھہرو۔“ حمید نے کہا اور سعید کو اپنے پیچھے  
آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

سرچکرا رہا ہے۔ وہ کم بخت میرا لگا گھونٹ رہا تھا۔ یہ مکان بھتوں کا مسکن ہے۔ میں اب یہاں  
نہیں رہوں گی۔“

”تم مجھے انوئیں بنائیں۔“ دفتہ سعید بابر گرجا۔ ”یہاں ایک سرکاری آفیسر بھی موجود  
ہیں سمجھیں۔“

”مشر بابر.....!“ لوکی نے متیر انداز اواز میں کہا۔

”تم کون ہو۔ کیا چاہتی ہو۔“ سعید بابر نے سخت لمحے میں کہا۔

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ لوکی ہاتھ ہلا کر رودینے کے سے انداز میں نہیں۔

”ہاں.....!“ قاسم بڑے خلوص سے بڑھ دیا۔ آپ خواہ خواہ مذاق کر رہے ہیں۔ ان کی  
طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”میں پوچھتا ہوں تم کون ہو۔“ سعید بابر جھلا گیا۔ ”سید ہمی طرح بتاؤ، ورنہ میں پولیس کو  
رینگ کروں گا۔“

”مشر بابر کیا آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ لوکی بھی چین پڑی۔ آپ مجھے نہیں  
پہچانتے۔ لسلی براؤن کو نہیں پہچانتے۔“

”لسلی براؤن..... بابر طلق چھاڑ کر چینا۔“ تم مجھے انداز ہا بنا رہی ہو۔ پاگل بنا رہی ہو۔ تم  
لسلی براؤن ہو، دن دھاڑے میری آنکھوں میں دھول جھوکوگی۔“

”میں پاگل ہو جاؤں گی۔ تم مجھے جھٹاڑ ہے ہو۔“ لوکی اپنے بال تو پنے لگی اور حمید بوکھلا  
گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کے جھونٹا سمجھے اور کے سچا۔

”آمیں..... یہ تمہارے قدم کی برکت ہے..... ہاں۔“ قاسم نے ہنس کر حمید سے کہا۔  
حمدید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ آپ سب براہ کرم خاموش رہیں۔“ پھر اس  
نے لوکی سے پوچھا۔ ”تم لسلی براؤن ہو۔“

”میں نہیں جانتی۔“ لوکی غرائی۔ ”یہ اچھا مذاق ہے۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں  
لسلی براؤن ہو۔ مشر بابر اگر آپ نے مجھے اس طرح ذمیل کرنا تھا تو یہاں لاۓ کیوں تھے۔“

”مشر بابر..... تمہیں لسلی براؤن تعلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

بے ان کاغذات کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتے..... یا پھر آپ کوئی ٹھوٹ ثبوت پیش کیجئے  
لسلی براؤن نہیں ہے۔“

”میں ڈوب گیا۔“ سعید بابر آہستہ سے ڈوب دیا بلکہ اسی انداز میں جیسے خود سے مخاطب  
پھر اس نے حمید سے کہا۔ ”کیا آپ کی موجودگی میں مجھ پر فائز نہیں کیا گیا تھا۔“  
آپ یقین کے ساتھ نہیں کہ سکتے کہ وہ فائز آپ ہی کے لئے تھا۔ ہو سکتا ہے شانہ اور  
ولی رہا ہو۔ آپ کے علاوہ کمرے میں پانچ افراد اور بھی تھے۔“

”ان حالات میں..... جبکہ..... میرا بھائی۔“

”اس کے لئے بھی آپ کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ محض شایستہ کی بناء پر وہ  
تیر آپ کا بھائی نہیں ہو سکتا۔ اپنے بھائی کی تلاش جاری رکھتے۔ ہو سکتا ہے وہ کسی بناء پر آپ  
کے سامنے نہ آنا چاہتا ہو۔“  
”آپ تو میرا بیڑا ہی غرق کئے دے رہے ہیں۔“ سعید بابر نے گھبرائے ہوئے لجئے  
میں کہا۔

”فی الحال آپ اس لڑکی کا معاملہ طے کیجئے۔“

”معاملہ کیا ٹے کرنا ہے۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کہا ہے کہ اسے اپنے ساتھ رہنے  
لے۔ یہ حالات میں رہے گی۔ اس وقت تک جب تک کہ میری سیکریٹری لسلی براؤن کا پہنچ  
نادرے۔ اس کے پاس اس کے صندوقوں کی کنجیاں تک موجود ہیں۔“  
”اچھی بات ہے۔“ حمید نے لاپرواٹی سے شانوں کو جیش دی۔ ”آپ براہ راست

پولیس سے رابطہ قائم کیجئے۔“

”لیکن آپ میری مدد نہیں کریں گے۔“ سعید بابر نے ناخنگوار لجج میں کہا۔ ”حالانکہ  
آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔“

”اور ایک ذمہ دار آفیسر بھی۔“ حمید نے خلک لجج میں کہا اور واپسی کے لئے مرگیا۔  
ڈرائیکٹ روم میں صرف راحله موجود تھی۔ قاسم دغیرہ جا چکے تھے۔ حمید سوچنے لگا کہ کم از  
کم سلیکر کو اس کا انتفار کرنا ہی چاہئے تھا۔

”چلو غھر چلیں۔“ قاسم نے لڑکیوں سے کہا۔ وہ پکھ بکھلا یا ہوا سانظر آنے لگا تھا۔  
انگریز لڑکی بڑی تیزی سے چلتی رہی۔ ایک کمرے کے دروازے پر رک کر اس نے کنجی  
نکالی اور اسے پینڈل کے سوراخ میں ڈال کر دروازہ کھولا اور کمرے میں چلی گئی۔

”یہ غلط ہے..... یہ ناممکن ہے..... یہ لسلی کی چیزوں میں ہاتھ نہیں لگا سکتی۔“ سعید بابر  
نے کہا اور حمید کی طرف جواب طلب نظر دوں سے دیکھنے لگا۔

”ٹھہریے..... صبر سے کام لججے۔ زیادہ بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔“ حمید بولا۔  
لڑکی پاپسورٹ لے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کے  
آثار تھے۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ ذرا سی ٹھیس پر چھٹ پڑے گی۔

”یہ لججے..... یہ ہے پاپسورٹ..... مگر مجھے یقین ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔“  
حمد پاپسورٹ لے کر دیکھنے لگا۔ تصویر اسی لڑکی کی تھی۔ نام لسلی براؤن، سکونت  
نرولی، پیشہ ملازمت اور پتہ سعید بابر ہی کا تھا۔ حمید نے پاپسورٹ سعید بابر کی طرف بوجادیا۔  
”یہ فراہم ہے۔ کھلا ہوا فراہم۔ میں دلدل میں پھنس رہا ہوں۔“

”تم خود فراہم ہو۔“ لڑکی ہدیانی انداز میں چیخی اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں گھیث  
لے گئی۔ ”یہ دیکھئے..... یہ ساری چیزیں میری ہیں۔ یہ جو تے میرے پیروں میں فٹ ہوتے  
ہیں، یہ بلوسات میرے جسم پر فٹ ہوتے ہیں۔“

سعید بابر بھی کمرے میں گھس آیا تھا۔ لڑکی مختلف جو تے اور سینڈل پینچ پینچ کر حمید کو  
دکھانے لگی۔

”ان صندوقوں کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔“ اس نے کہا۔ اور سعید بابر کو گھونسہ دکھا کر  
چل گاہڑی۔ ”یہ کمین پن ہے..... تم مجھے اس اجنبی دلیں میں ملازمت سے بہر طرف نہیں کر سکتے۔  
اگر یہاں کا قانون میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔“

”آپ سن رہے ہیں۔“ سعید بابر نے حمید سے کہا۔  
”ہاں میں سن رہا ہوں مسٹر سعید بابر! لیکن فی الحال کوئی قبیلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے  
کاغذات پولیس کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہوں گے۔ آپ یا آپ کے تین فوکروں کے



”بکواس بند کرو۔ میرے کان نہ کھاؤ۔“ فریدی نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ حمید کو بڑی جھٹکتے ہوئے۔ سعید بابر والا واقعہ ایسا ہی تھا کہ معمول کے مطابق فریدی کو کواس میں کافی پچھی لئے جا ہے تھی۔ پھر حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی بولا۔ ”نی الحال صرف اتنی ہی بات میں قانون دیکھی لے سکتا ہے کہ سعید بابر کے ڈرائیور روم میں کسی نے فائز کی تھا وہ بھی اُس صورت میں جب سعید بابر اس کی اطلاع پولیس کو دے۔“

”بس اتنی ہی بات۔“ حمید نے مایوسی سے کہا۔ ”مگر وہ اس لڑکی کا معاملہ۔“

”وہ بھی کچھ نہیں ہے۔ سعید بابر کو چاہئے کہ کیس کو اپنے سفارت خانے میں پیش کرے۔ ہم سے براہ راست اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے اگر تمہیں لوکی کے معاملے میں تنقیش لفڑیا کرنی ہوتی فاران برائی میں جا کر اس کے ویزا کا انکو اڑی فارم نکلا لو۔ اس پر لسلی براؤن کی تصویر موجود ہوگی۔“

حمدید اٹھ کر دفتر کے اُس کمرے میں آیا جہاں بابر سے آنے والوں کے کاغذات کاریکاری کا رہتا تھا۔ اُس نے متعلقہ کلارک سے پچھلے ایک ماہ کے کاغذات نکالنے کو کہا۔ اُسے ان لوگوں کی آمد کی صحیح تاریخ کا علم نہیں تھا۔ کلارک نے دو ہی چار فارم لائے تھے کہ حمید کی نظر اُسی لوکی کی تصویر پر پڑی جو سعید بابر کے بیہاں بیویوں میں تھی۔ اس نے فارم کا ایک ایک کالم دیکھ ڈالا اور پھر اسے حلیم کر لیا پڑا کہ لسلی براؤن اُس لوکی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

حمدید پھر فریدی کے کمرے میں واپس آیا۔ فریدی غور سے اس کی بات سن تارہا۔ پھر بولا۔

”بس تو یہ سعید بابر کوئی فرماڑ کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے وہ اُس لوکی سے اپنا پچھا چھڑانا چاہتا ہو۔ مگر وہ برااحمق معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کاغذات کی موجودگی میں اس کی بات کون نہیں گا۔“

”نہیں جتاب! وہ اتنا احمق نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کی کوئی حرکت کرے۔ وہ کافی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی کسی سازش کا شکار ہو گیا۔ مگر کسی شکایت کے بغیر ہم کوئی کارروائی

کیسے کر سکتے ہیں۔“

اچاک ریسیپشن روم کے اردنی نے کمرے میں داخل ہو کر کسی کا اوپرینگ کارڈ حمید کو دیا۔

”اوہ..... سعید بابر۔“ حمید بڑی بڑی پھر اردنی سے پوچھا۔ ”تھا ہے۔“

”جی ہاں.....!“

”اچھا کہہ دو میں آرہا ہوں۔“

اردنی چلا گیا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”پتہ نہیں اب وہ کیا سنانے آیا ہے۔“

”تم چلو! میں بھی آرہا ہوں۔ اس آدمی کو کم از کم دیکھنے ہی لوں۔ لیکن تم اُس سے میرا تعارف نہیں کراؤ گے۔“

”یعنی میں آپ سے گفتگو بھی نہیں کروں گا۔“

”نہیں قطعی نہیں۔“

حمدید اٹھ گیا۔ ریسیپشن روم میں سعید بابر اس کا منتظر تھا۔ حمید نے اُس کے چہرے پر دلی کیفیات پڑھ لیں۔ وہ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتا تھا۔

”پکستان صاحب! آپ خفا ہو کر چلے آئے تھے۔ حالانکہ میں مظلوم اور آپ کی امداد کا مستحق ہوں۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ میں کسی وجہ سے اس لوکی کو لسلی براؤن تعلیم نہیں کرنا چاہتا۔ کیا میں اتنا احمق ہوں کہ جھٹا کر خواہ خواہ اپنی گردون پھنسانے کی کوشش کروں گا۔“

”بھی تو میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔“

”اب میں آپ کو لسلی براؤن کا پاسپورٹ دکھانے لایا ہوں۔ اُس وقت میں بہت زیادہ الجھن میں تھا اور یہ بھول گیا تھا کہ لسلی براؤن کا پاسپورٹ میرے ہی پاس موجود ہے۔“

اُس نے جیب سے ایک پاسپورٹ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ اس پاسپورٹ کی تصویر اس لوکی سے مختلف تھی۔ بہت فرق تھا۔ زمین و آسمان کا فرق..... اتنے میں فریدی بھی ریسیپشن روم میں آگیا۔

”اچھا تو آپ نے اور اس لسلی نے ساتھ ہی اپنی آدمی بیہاں بیہاں درج کرائی تھی۔“

حمدید نے پوچھا۔

”جی ہاں..... ہم دونوں ساتھ آئے تھے۔ انکو اری فارم تو ہو گا آپ کے بیہاں۔ آپ اپنا اطمینان کر لیجئے۔“

حمد پچھے کہنے والے اتحاد کفریدی نے اسے آنکھ ماری۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اسے دوسرے انکو اری فارم کا تذکرہ کرنے سے روکتا چاہتا ہے۔

”اچھا جتاب....!“ حمید نے ایک طویل سانش لے کر کہا۔ ”آپ یہ پاسپورٹ میرے پاس چھوڑ دیجئے۔ میں دیکھوں گا۔“

”مگر میں لسلی کے لئے کیا کروں۔ وہ صرف دو گھنٹے کے لئے باہر گئی تھی لیکن چار گھنٹے گذر چکے ہیں کپتان صاحب! اپتہ نہیں وہ کس حال میں اور کہاں ہو گی۔ اس کے لئے کچھ سمجھئے۔ آپ میرے دوست ہیں۔ آپ پر میرا حق ہے۔“

”وہ کہاں گئی تھی۔“

”اس نے کسی جگہ کا نام نہیں لیا تھا۔ اس وہ پرنس پرور ڈاؤن کے ہجوم سے گمراہ کر چلی گئی تھی۔“

”میں دیکھوں گا کہ اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”اچھا وہ لڑکی اس وقت کہاں ہے۔“

”میں اسے نوکروں کی نگرانی میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ویسے وہ لسلی براؤن اس لئے بنی ہے کہ ہر وقت میرے سر پر سوار رہے۔ یہ میرا اپنا خیال ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ لسلی براؤن کی زندگی خطرہ میں ہو گی۔ کچھ سمجھئے۔“

حمد نے فریدی کی طرف دیکھا جو سید بابر کو بغور دیکھ رہا تھا۔

”میں کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔“ حمید آہستہ سے بولا۔

سید بابر زیادہ دریخیں تھیں۔ فریدی اس دوران میں خاموش تھی رہا تھا۔ سید کے چلے جانے پر وہ اٹھا اور حمید ہے مخاطب ہوئے بغیر ریپیشن روم سے چلا گیا۔

حمد ایک بار پھر ریکارڈ روم میں بیٹھا فارموں کا فائل الٹ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس پاسپورٹ کا دویں انکو اری فارم فائل میں موجود نہ ہو گا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اس کی کوھپڑی تاپنے لگی کیونکہ اس دوسری لسلی براؤن کا انکو اری فارم بھی فائل میں موجود تھا اور اس لڑکی کی

”بھی اسی تاریخ کو ہوئی تھی جس تاریخ کو دوسری لڑکی کی ہوئی تھی۔“  
”وہ سنائے میں آگیا۔ اپنی نوعیت کا واحد کیس۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔

## حیرتِ الگزیر نشانات

سعید بابر بے خبر سو رہا تھا۔ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ پتہ نہیں وہ کسی قسم کی آواز تھی یا سید بابر کی چھٹی تھی۔ جس نے اسے جگا دیا تھا وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرہ کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ سید نے گھری کی طرف دیکھا وونچ رہے تھے۔ سردیوں کی پہاڑی رات کائنات پر مسلط تھی۔ فاختا اسے داہنی طرف کی کھڑکی میں ہلکی سی سرسر اہست سنائی دی، وہ دبے پاؤں بستر سے اٹ۔ اس کے چہرے پر ذرہ برا بر بھی بے اطمینانی یا پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ وہ بیچوں کے لئے چلتا ہوا میز کے قریب آیا۔ بہ آہ، سکنی اس کی دراز تھی اور اندر رہا تھا ڈال کر ایک روپور نکالا جس کا سوتہ ہاتھی دانت کا تھا۔ اس نے اس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

کر کرے میں مھم ہی نیلے رنگ کی روشنی تھی۔ اچانک وہی کھڑکی اپنے فریم سیست ملنے لگی جس میں سرسر اہست کی آواز ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریم سیست دیوار سے نکل کر نش پر آگئے گی۔ چاروں طرف کا پلاسٹر ادھر ادا جا رہا تھا۔

پھر اچانک وہ فرش پر آگری اور ساتھ ہی سعید نے دیوار کی خلاف میں فائر کر دیا۔ ایک چیخ دوڑتک سنائے میں لہراتی چل گئی۔ گروہ چیخ نہیں ہو سکتی تھی، وہ تو کسی ریلوے نگاہی سی تھی۔ اس کے فوراً بعد ہی انکی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی ریلوے انجن پر درپے نہیں چھوڑ رہا ہو۔ پھر بھاگتے ہوئے بھاری قدموں کی آوازیں۔ سعید بابر نے روپور خالی کر دیا۔ ذرا ہی تھی ذریں پھر وہی پہلے کا ساستا طاری ہو گیا، لیکن سعید بابر نے اپنے کپاڑوں سماں کا راستا ہونے کی آواز سنی تھی۔ اسے یقین تھا کہ کاروڑیں سے اسٹارٹ ہوئی۔

پھر وہ بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ ساری عمارت سننان پڑی تھی۔ لیکن اب وہ اتنا جتنی بھی نہیں تھا کہ کپاڑوں میں تاریخ روشن کرتا۔ نوکروں کے کوارٹروں میں بھی روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔ نہیں وہ سورے سے تھے با خوف کی وجہ سے باہر نکلنے کی ہست نہیں رہ گئی تھی۔ سعید چھوڑی دیر تک

برآمدے میں کھڑا رہا پھر اندر چلا گیا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر اندر ہرے میں ٹھوٹا ہوا فون کی طرف گیا اور محض ہندسوں کی ترتیب کوڈ ہن میں رکھ کر اندر ہرے ہی میں کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری بار رسیور اٹھایا گیا۔

”ہیلو.....!“ دوسری طرف سے ایک بھرا ہوئی سی آواز آئی۔

”میں کیپشن حید صاحب سے ملتا چاہتا ہوں۔“

”کون صاحب ہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”آن سے کہیے کہ سعید بارفون پر ہے۔“

”وہ سورہا ہے۔“

”آپ کون ہیں؟“

”فریدی....!“

”اوہ.....کرٹل صاحب..... معاف فرمائیے گا۔ میں نے نادقت آپ کو تکلیف دی۔ میں خطرے میں ہوں جتاب..... کسی نے میری خواب گاہ کی کھڑکی گرا کر اندر رکھنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے فائز کر دیا۔ اب سناتا ہے، لیکن مجھ میں اتنی ہست نہیں ہے کہ روشنی کر سکوں۔“

”کیا کہا آپ نے..... کھڑکی گردادی گئی۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”جی ہاں..... فریم سیمت دیوار سے نکل آئی ہے۔“

”یہ کیسے ممکن ہے۔“

”مجھے خود ہیرت ہے جتاب..... میں کسی قسم کی آواز سن کر جاگ پڑا تھا۔ میں نے کھڑکی کے چاروں طرف کا پلاسٹر اوزھڑتے دیکھا۔ پھر فریم اپنی جگہ سے کھکھا اور پوری کھڑکی اندر آگری۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آہستہ آہستہ اس پر زور آزمائی کر رہا ہو، ہیلو..... جی ہاں..... آپ خود سوچئے..... مجھے بالکل تھا سمجھئے۔ میں نے چھ فائز کے تھے، لیکن نوکروں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ بدستور اپنے کوارٹروں میں ہیں۔“

”لوگ کی کہاں ہے۔“

”میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ رات کا کھانا اُس نے زبردستی میرے ساتھ کھایا تھا اور لسلی

”جی ہاں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی ”میں آرہا ہوں، آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہریے،  
ہلا وہ کھڑکی پاہر ہی کی طرف سے کھلتی رہی ہوگی۔“

”جی ہاں۔“

”کس طرف۔“

”بائیں بازو کی..... دیکھئے بتاتا ہوں، چوتھی..... نہیں پانچوں..... ہاں پانچوں ہی تو ہے  
دیکھئے وہ بائیں بازو کی پانچوں کھڑکی ہے۔“

”اچھا..... آپ وہیں ٹھہریے جہاں اس وقت ہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور  
سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ سعید بارہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ٹھوٹا ہوا ایک طرف پل پڑا۔ ایسا  
سلام ہو رہا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔ کسی جگہ تو لا کھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ لیکن وہ بڑھتا  
ہی جا رہا تھا۔ پھر ایک کمرے میں گھس کر اس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

لیکن زیادہ دیر تک اندر نہیں پہنچا۔ اب وہ پھر اُسی کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں  
ٹھہرنے کی فریدی نے تاکید کی تھی۔ اب کیا وقت تھا۔ سعید اندازہ نہیں کر سکا۔ لیکن اُسے اس کا  
حاس تھا کہ فون کرنے کے بعد سے اب تک ایک گھنٹے کی مت ضرور گذری ہو گی۔

اچانک اندر گھنٹی بجی۔ شاید برآمدے میں کوئی گھنٹی کا بیٹن دبارہ تھا۔ سعید نے سوچا آئے  
”الا فریدی کے علاوہ اور کون ہو گا۔“

وہ برآمدے کی طرف چھپتا..... برآمدے میں اندر ہرا تھا۔

”مشتر بابر.....!“ کسی نے برآمدے سے کہا۔

”کون..... اوہ..... کیا..... کرٹل صاحب۔“

”ہاں..... میں ہوں..... اب آپ روشنی کر سکتے ہیں۔“

سعید بارہ نے سوچ بورڈ ٹھوٹ کر برآمدے میں روشنی کر دی۔ اس کے سامنے ایک دراز قد۔

آدمی سیاہ مسٹر اور سیاہ فلٹ ہیٹ میں کھڑا تھا۔ روشنی ہوتے ہی اس نے فلٹ ہیٹ کا گزرا اور اٹھا دیا۔ سعید بابر کو ابھی تک فریدی سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ویسے اس نے اس کی شہرت بہت پہلے سنی تھی۔ افریقہ کے پولیس افسروں میں اکثر اس کے ذمکرے رہا کرتے تھے کیونکہ وہ میں الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔

”خوش آمدید....!“ سعید بابر ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”تم پہلی بار مل رہے ہیں کریل صاحب! آپ کے متعلق میر اندازہ غلط تھا، آپ تو مجھ سے بھی کم عمر معلوم ہوتے ہیں۔“ ”میں آپ کی خواب گاہ دیکھنا چاہتا ہوں مسٹر بابر۔“ فریدی نے آہتے سے کہا۔ اس دوران میں اس کی نظر ایک بار بھی سعید بابر کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔

”اوہ.....جی ہاں.....آئیے۔“ سعید بابر نے کہا اور آگے بڑھ کر تاریج کی روشنی میں اسے راستہ دکھانے لگا۔

وہ خواب گاہ میں آئے جہاں کھڑکی فریم سمیت اب بھی فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اس کے دونوں طرف ادھرے ہوئے پلاسٹر کے ڈھیر تھے۔ فریدی چند لمحے تیز نظر وہ سے کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ نے شاید وہاں سے فائر کیا تھا۔“ ”جی ہاں وہیں سے۔“

”آپ کے فائر سے کوئی زخمی ہوا ہے، کیونکہ باہر دیوار پر خون ہے۔“ ”اوہ.....میں نے ایک چیز سنی تھی.....مگر....!“

”مگر.....کیا....!“ ”میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ چیز ہی تھی۔ جناب عجیب طرح کی آواز تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی ریلوے انجن کی سیٹی ہو۔ پھر اسکی آوازیں آنے لگیں جیسے انجن رہ رہ کر تیزی سے اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔“

”جناب میری معلومات میں کوئی نیا اضافہ ہونے والا ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”یقین بکجھ.....جو کچھ میں نے ساتھا عرض کر دیا۔“

”اس کھڑکی کے نیچے کچھ بڑے عجیب قسم کے نشانات ہیں۔“ فریدی نے دیوار کی خلاف اکٹا

طرف اشارہ کیا اور پھر سعید بابر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”ان نشانات کا مطالعہ میرے لئے بڑا دلچسپ ثابت ہو گا۔“ اس نے تھوڑی دری بعد کہا۔ ”کیسے نشانات ہیں۔“

”اگر آپ دیکھنا چاہیں.....!“

”میں ضرور دیکھوں گا.....!“ سعید بابر نے کہا اور فریدی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں کمپاؤنڈ میں آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔ عمارت کے بائیں بازو کی طرف بہنچ کر فریدی رک گیا اور بولا۔

”ذر احتیاط سے.....میں روشنی دکھارنا ہوں۔ کہیں وہ نشانات ضائع نہ ہو جائیں۔“ وہ پھر پڑھے۔ فریدی زمین پر روشنی ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کہیں کہیں وہ سعید بابر سے کترا کر چلنے کو کہتا۔ کھڑکی کے سامنے وہ رک گئے۔

”یہ نشانات.....!“ فریدی نے ایک ہنگر روشنی ڈالی۔

یہاں زمین نرم اور نم آسود تھی اس لئے نشانات کافی گہرے تھے۔ سعید بابر جھک کر دیکھنے لگا۔ لیکن شاید اس کی بحاج میں نہ آسکا تھا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو کر بے دلی سے بولا۔ ”جی ہاں.....یہ نشانات.....!“

”شاید آپ نے غور سے نہیں دیکھا۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”ورنہ آپ کے چہرے پر حیرت کے آثار ضرور ہوتے۔“

”یہ حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔“

”یہ نشانات دور تک ہیں اور ان کی ترتیب بتاتی ہے کہ یہ کسی ایسے جانور کے پیروں کے نشانات ہیں جو صرف دو پیروں سے چلتا ہے۔“

”گوریلا.....!“ سعید بابر بڑھ رہا یا۔

”نہیں گوریلے کے پیر سپاٹ ہوتے ہیں۔ تکوؤں میں اتنی گہرائی نہیں ہوتی۔ یہ دیکھئے۔“

فریدی ایک تنکا اٹھا کر نشان کے مختلف حصوں کی طرف اشارہ کرنے لگا۔

”نٹ پاٹھ پر گھست گھست کر بھیگ مانگتا رہا۔ خواہ میری جان چلی جائے میں اس آدمی کو سزا دیئے بننے میں جاؤں گا، جو اس حرکت کا ذمہ دار ہے۔ آپ خود سوچنے لاگا آپ کا کوئی بھائی.....!“  
”آپ نے الائیڈ بیک میں تحقیق کی تھی۔“

”جی ہاں..... ہر ماہ تین ہزار کا ڈرافٹ رشید بابر کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہا تھا اور رشید بابر کے چیک پر ادا نگی ہوتی رہی تھی۔ میرے یہاں پہنچنے سے تین دن قبل آخری رقم پہاں ہزار نکالی گئی اور اسی دن شام کو میرے بھائی کی لاش ایک فٹ پاٹھ پر ملی۔ میرے ذرا..... کتنی زبردست ژریبی ہے۔“

”پہلے ڈرافٹ پر کس نے تصدیق کی تھی کہ بھی رشید بابر ہے۔“ فریدی نے سوال کیا۔  
”میمبر داراب نے۔“

”یہ کون ہے۔“

”داراب ایڈ بکنی کا پروپرائز..... اس کی فرم ہم سے لین دین رکھتی ہے۔ میں نے اسے لکھ دیا تھا کہ وہ اس ڈرافٹ کی تصدیق کر کے رشید بابر کا اکاؤنٹ حملوادے۔“

”آپ اس سلسلے میں اس سے ضرور طے ہوں گے۔ قدرتی بات ہے۔“

”جی ہاں..... میں اس سے بھی پوچھ چکا ہوں۔“

”وہ کیا کہتا ہے۔“

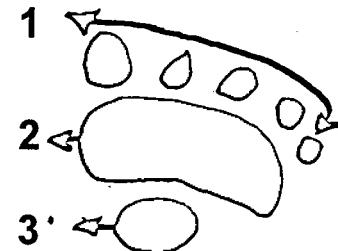
”اُسے کچھ یاد نہیں۔ بات پانچ سال پرانی ہے۔ میرے یاد دلانے پر اس نے یہ تعلیم کر لیا کہ اس نے میرے لکھنے پر کسی کے ڈرافٹ کی تصدیق کی تھی۔ جب اسے اس کا نام بھی بانجھیں تو پھر صورت شکل یاد رکھنے کا سوال عین نہیں پیدا ہوتا۔“

”داراب سے آپ یہاں بار بار ملے تھے۔“

”بیں ابھی حال ہی میں۔ البتہ کار و باری تعلقات شاید پورہ سال پرانے ہیں۔“

”یعنی اس ڈرافٹ کی تصدیق سے پہلے اس نے آپ کوئی دیکھا تھا۔“

”جی نہیں..... میں نے عرض کیا تاکہ ابھی حال ہی میں ہم دونوں ایک دوسرے کے صورت آشنا ہوئے ہیں۔“



”یہ انگلیاں..... یہ انگلیوں کے<sup>(2)</sup> نیچے کا ابھار..... اور یہ گول<sup>(3)</sup> نشان..... جو ایڑی ہی کا ہو سکتا ہے۔ ایڑی اور انگلیوں کے نیچے کے ابھار کا فاصلہ دیکھئے۔ تو یہ کتنے گہرے ہیں۔ گہریلے کے تنوں میں گہرائی نہیں ہوتی۔ یہ کسی آدمی کا پیر ہو ہی نہیں سکتا۔ مختلف قسم کے جانوروں کے متعلق ”میری معلومات کم نہیں ہیں۔ مگر، یہ میر..... یقیناً میری معلومات کے دائرے سے باہر ہے۔“

”پھر یہ کیا ہے۔“ سعید بابر کی آواز حلقوں میں چھنسنے لگی تھی۔

”خدا بہتر جانتا ہے.....!“ فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ”میں اپنے فوٹو گرافروں کو بلانا چاہتا ہوں..... آپ کافون استعمال کروں گا۔“

”اوہ..... ضرور..... ضرور.....!“

”فریدی نے دوبارہ عمارت میں داخل ہو کر اپنے محلے کے فوٹو گرافر کوفون کیا اور وہ دونوں ڈرائیک روم میں آیٹھے۔“

سعید بابر کا چہرہ زردھا اور ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ فریدی نے ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا اور باہر پھیلے ہوئے انہیں میں گھومنے لگا۔ پھر اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”جتنی جلد ہو سکے آپ یہاں سے چلے جائیے۔“

سعید بابر نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

”کوئی صاحب میرا بھائی اگر ایڑیاں رکڑ کر مر گیا۔ میں اسے تین ہزار روپے بھجوتا رہا اور

جواب میں سعید بابر نے بھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔



عدنان اپنے گھر میں ایک طرح سے قید ہی تھا۔ وہ تنور کی عدم موجودگی میں بھی گھر سے ذم نہیں نکال سکتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا بھی تو اُسے اپنی اس ناقابت انہی پر زندگی بھر پشیمانی ہتھی کیونکہ یہاں تنور کی حکومت تھی۔ اگر وہ گھر سے باہر جانے پر زور دیتا تو ملازمین اس کی بے حرمتی کر بیٹھتے۔

وہ اپنی ماں کی سخت گیر یوں سے ٹک آ گیا تھا۔ مگر قہر درلوش پر جاں درلوش، اس میں نی ہست نہیں تھی کہ اس کے خلاف آواز اٹھا سکتا۔ اُس کی دانت میں اس کی ماں کریک تھی۔

گروہ اپنی ماں ہی کا بیٹا تھا۔ وہ زیادہ تر اسکی ہی حرکتیں کرتا جو تنور کو ناپسند تھیں۔

آج صحیح تنور کہیں گئی ہوئی تھی۔ دو باڑی گارڈ اس کے ساتھ تھے۔ عدنان کے باڑی گھر ہی پر موجود تھے۔ اس نے انہیں طلب کیا۔

”تم دونوں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی بڑا کام بھی کیا ہے۔“ عدنان نے بڑی حقارت سے پوچھا۔

وہ دونوں خاموش رہے۔

”کیا تم ہبرے ہو۔“ عدنان گرجا۔

”نہیں جتاب! ہم آپ کا سوال ہی نہیں سمجھ سکتے۔“

”تم بڑا کام نہیں سمجھتے.... کیوں؟“

”سمجھتے تو ہیں..... مگر سوال کا مقصد سمجھے بغیر جواب کیسے دیا جاسکتا ہے۔“

”آج تمہیں ایک بڑا کام انجام دیتا ہے۔“

”فرما یے۔“

”اُس کرے کا تالا توڑیں گے جس میں مادام تنور کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا ہے۔“

”ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا جتاب۔“

”تب تو وہ اس واقعہ کو بھلا دینے میں حق بجانب ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں.....؟ میں نہیں سمجھا۔“

”اگر وہ آپ کو پہلے دیکھ چکا ہوتا تو روشنی بار اُسے آج بھی یاد ہوتا۔ محض اتنی قرسمی مشاہدہ کی بناء پر حیرت انگیز چیزیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ کیوں..... مثلاً یہ آپ کی سیکریٹری والا تصریح مجھے یاد رہے گا۔“

”اور شاید میں اُسے قبر میں یاد کر کے تحریر ہوتا ہوں۔“ سعید بابر نے تلخ بچے میں کہا۔

”یہ لڑکی لسلی براؤن کب سے آپ کے پاس ہے۔“

”تقریباً تین سال سے۔“

”آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”می ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“

”تو پھر نیزوبی سے آئی ہوئی اطلاعات غلط ہوں گی۔“ فریدی نے تلخ بچے میں کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ سعید بابر میساختہ چونک پڑا۔

”میں نے آج ہی بذریعہ والریس ٹیلی گرافی یہ معلومات بھی پہنچائی ہیں کہ آپ کی فرم سے تعلق رکھنے والا ایک فرد بھی لسلی براؤن ناہی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔“

”اوہ.....!“ سعید بابر ہنسنے لگا۔ فریدی استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا رہا۔

”آپ نے یہی پوچھا تھا کہ وہ کب سے میرے پاس ہے۔“

”ہاں! یہی پوچھا تھا۔“

”یہ تو نہیں پوچھا تھا کہ وہ میری سیکریٹری کب سے ہے۔ اگر آپ یہ پوچھتے تو میں عرض کرتا کہ وہ صرف کاغذات پر میری سیکریٹری ہے اور کاغذات پر بھی اُس وقت آئی جب ہم پاسپورٹ بنوانے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ میرے اور اس کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ لیکن پوچھتے تو یہ سرخض اسی کے اصرار پر ہوا تھا، مگر اب.....“

سعید بابر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”اب میں نے اُس کھو دیا ہے۔“

”محبوبہ.....!“ فریدی مسکرا یا۔

”تیز ہنا کر کوئی اُھڑا تو نہیں رہا ہے۔“

”چلے.....!“ لڑکی پھر فس پڑی۔ وہ دونوں اس راہداری میں آئے جس کے دوسراے رہے پر اس پراسار کرنے کا دروازہ تھا۔ لڑکی راہداری کے اسی سرے پر رک گئی۔

عدنان نے جیب سے ایک مڑا ہوا تار نکالا اور دروازے میں پڑے ہوئے قفل پر ہاتھ بٹاف کرنے لگا۔ قفل کھلنے میں در نہیں لگی۔ اس نے دروازے میں تھوڑا سا درہ کیا۔ کمرے میں گھری تار کی تھی۔ اندر سے ایک عجیب قسم کی بدبو کا بچپا آیا لیکن عدنان جو توریکا بینا تھا دروازہ کھول کر دھڑ دھڑ اتا ہوا اندر گھس گیا۔ دوسراے ہی لمحے میں وہ راہداری میں تھا۔ اس کے پتل سے ایک عجیب سی چیز نکلی کسی نے اسے اٹھا کر کرنے سے باہر پھینک دیا تھا۔ لڑکی تو یہ

انقدر یکھتے ہی سر پر بیور کر بھاگ گئی۔ عدنان کے گھننوں اور سر میں کافی چوٹیں آئیں۔

دوسری طرف اس کے باڑی گارڈ چیخ سن کر دوڑ پڑے تھے۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن قفل نہیں راہداری کے فرش پر پڑا دکھائی دیا۔ انہوں نے خوفزدہ نظروں سے ایک دوسراے کی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔ وہ اسے سہارا دیتے ہوئے راہداری سے نکال لائے۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ تھیک اسی وقت توریکی آپنگی۔ عدنان کے چہرے پر ہوانیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے باڑی گارڈوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ پہلے تو وہ بچپتے رہے، لیکن پھر انہیں بتانا ہی پڑا کہ عدنان نے اس کمرے کا قفل کھول لیا تھا۔

توریکے تھا شد ووڑتی ہوئی راہداری میں چلی گئی۔ عدنان ایک کری میں پڑا ہماپنتر رہا۔

”میں تم دونوں کو جان سے مار دوں گا..... صحیح!“ وہ انہیں گھونسہ دکھا کر بولا۔

”ہم کیا کرتے جتاب۔“

”شش اپ.....!“

دو چار منٹ بعد توریکوں آگئی، لیکن اس کا مودہ بہت خراب معلوم ہو رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں چہرے کا چاپ تھا۔

”عدنان! کھڑے ہو جاؤ۔“ اس نے تھکمانہ لمحے میں کہا۔

”کیا تم میرا حکم مانتے سے انکار کر رہے ہوئے۔“

”جبکہ مادام توریکی کوئی بات آپرے وہاں ہم یقیناً انکار کر دیں گے۔“

”میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“ عدنان گرجا۔

”گولی مار دیجئے..... مگر یہ بڑا کام ہم سے نہیں ہو سکے گا۔“

عدنان خاموش ہو گیا۔ پھر قزوی دیر بعد مسکرا کر نرم لمحے میں بولا۔ ”مادام توریک کو اس کا علم نہیں ہونے پائے گا۔ تم آخر اتنا ذریتے کیوں ہو، تم میرے باڑی گارڈ ہو۔ تمہارے قلعے برے راست چھ سے ہے۔ تمہارے افعال کے لئے میں جواب دہوں۔“

”ہم مجبور ہیں جتاب۔“

وہ دونوں منہ لٹکائے ہوئے چلے گئے۔ عدنان کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر انہوں کو توریکے نجی آفس کی طرف چلا گیا۔ بہاں تین لڑکیاں ٹکر تھیں، جو توریکے نجی اخراجات کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ عدنان نے ان میں سے ایک کو الگ بلایا، یہ لڑکی ابھی حال ہی میں آئی تھی اور شاید اسے اس عمارت کے مکینوں کے متعلق کچھ نہیں معلوم تھا، توریکوں بھی اس نے ایک آدھ بار دیکھا تھا۔

”تم مجھے جانتی ہو۔ میں عدنان ہوں۔“ عدنان نے اس سے کہا۔

”جی ہاں.....!“

”میرا ایک کام کر دو گی۔“

”فرمائیے۔“

”اگر تم میری مدد کرو گی تو ہم ہمیشہ کے لئے گھرے دوست بن جائیں گے۔“

”ہاں..... ہاں..... بتائیے۔“ لڑکی نے کہا۔ عدنان عورتوں کے لئے پرکشش تھا۔

”میری ماں یہو بہت پسند کرتی ہے، مگر مجھے نہیں کھانے دیتی۔ میں اس کے یہو چانا چاہتا ہوں۔“

لڑکی پہنچنے لگی اور عدنان بولا۔ ”میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ایک کرے میں یہوؤں کا اسٹاک رہتا ہے۔ میں تمہارے لئے بھی نکال لاؤں گا۔“ بس تم راہداری کے سرے پر کھڑی

ہات کرنا فریدی کا کام تھا کہ وہ لڑکی حقیقتاً لسلی براؤن تھی یا کوئی اور۔ حمید کے لئے تو وہ صرف لڑکی تھی۔ اگر اس کا نام لسلی براؤن کی بجائے کیوں بوٹ پاٹ براؤن ہوتا تب بھی وہ اس میں اتنی بھی دلچسپی لیتا۔

وہ سعید بابر کی کوشش کے چکر لگانے لگا۔ دن میں کئی کئی بار کوئی نیا سوال تیار کر کے جائیجھتا اور سعید بابر اس بات پر بے تحاشہ خوشی کا انعامہ رکھتا کہ مکملہ سراغ رسانی کے دو بہترین دماغ اس کے معاملے میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں۔

آج اپاںک اس کی ملاقات اس لڑکی سے ہو گئی جسے سعید بابر کڑی گمراہی میں برکھتا تھا اور اسے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا تھا۔ وہ حمید کو مرآمدے ہی میں ملی اور اس کے سر پر دونوں مسلط تھے۔ سعید بابر گھر میں موجود نہیں تھا۔

لڑکی نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور ایک تختہ سی مکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ”وہ شریف آدمی گھر پر موجود نہیں ہے۔“

”اوہ..... اچھا!“

”لیکن تمہریے..... میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

”اوہ..... ضرور..... ضرور.....!“ حمید وہیں ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”مجھے یہ سزا کیوں دی گئی ہے۔ کیا آپ بتائیں گے۔“

”سزا تو تم نے آج کل ہم لوگوں کو دے رکھی ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”کیا آپ لوگ نیردہی سے براہ راست نہیں معلوم کر سکتے۔ میں آپ کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے پتے دے سکتی ہوں۔“

”کیا وہ لوگ اس کی بھی تصدیق کر سکیں گے کہ تم سعید بابر کی مسکری ہو۔“

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اس کے چہرے کی رنگت بڑی تیزی سے بدلتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سراخایا۔ اس کی آنکھیں غلظتیں تھیں اور چہرے پر پہلے سے زیادہ زرمائیت تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”نہیں اس کی تصدیق کر سکیں گے۔“

”اس کا جواب وہی ذلیل کتا دے سکتا ہے۔ لیکن اب تو وہ مجھے لسلی براؤن ہی تعلیم

عدنان چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ چاروں بادی گارڈوں میں کھڑے تھے۔

”تم لوگ جاؤ۔“ عدنان نے اُن سے کہا۔

”نہیں..... وہ بیسیں تھیں گے۔“ تنویر نے سرد لمحے میں کہا۔ ”تم اپنے ہاتھ اور انہالوں“ عدنان نے ہاتھ بھی انہادیے۔ تنویر کا چاپک والا ہاتھ حرکت میں آگیا۔

”شاہیں... شاہیں۔“ عدنان کے پشت پر چاپک پڑ رہے تھے اور وہ ہونٹ سچنچے کھڑے تھا۔ ”میں گن رہا ہوں۔“ عدنان نے تختہ لمحے میں کہا۔

”گئے رہو۔“ تنویر کا ہاتھ تیزی سے چلنے لگا۔

”یہ پھر نہیں..... میرے جنم پر پڑ رہے ہیں مادام تنویر..... مگر میرے سینے میں بھی پتھر کا دل ہے۔“

”تمہاری دھمکیاں مجھے اور زیادہ سکنڈل بنادیں گی۔“ تنویر بولی۔ لیکن اس کا ہاتھ چڑا رہ کی میں اتنی ہست نہیں تھی کہ اسے روک دیتا۔ بادی گارڈ کھڑے کا پتھر رہے۔

”میں بس نہیں کہوں گا..... مادام تنویر۔“ عدنان نے کہا۔ ”اور نرم کی درخواست کروں گا۔“ تنویر کا ہاتھ رک گیا۔ چاپک فرش پر ڈال کر وہ کری میں گرگئی۔ اس کی آنکھیں بڑی خونخوار نظر آ رہی تھیں۔ اپاںک عدنان نے چاپک اٹھایا اور چاروں بادی گارڈوں پر ٹوٹ پڑا۔

”اُلوکے پھو..... میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔“

بادی گارڈ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگ نکلے۔

## میجر داراں

حمد کے لئے یہ تھی عجیب تھی۔ مگر اسے اس تھی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جس الجھاو میں کسی عورت کو بھی دھل ہوتا تھا، وہ کم از کم حمید کی ذہنی جمناسٹک سے بچا ہی رہتا تھا۔ کیونکہ حمید پھر حمید تھا۔ ظاہر ہے کہ عورت اُس کے حصے میں آئی اور تھی فریدی کے حصے میں۔

”آپ میرے ساتھ باہر چل سکتی ہیں۔“  
”جی.....!“ لڑکی پر سمرت انداز میں چینی۔

”جی ہاں.....!“

”مگر یہ.....!“ لڑکی نے نوکروں کی طرف دیکھا۔

”میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“ حمید نے نوکروں سے کہا۔

”صاحب کی اجازت نہیں ہے۔“ ایک نوکر نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

”ان سے کہہ دیتا پکتان صاحب اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔“

”آن کا انتظار کر لیجئے تو بہتر ہے۔“

حمد نے بات آگئیں بڑھائی۔ وہ سمجھتا تھا کہ لڑکی اس طرح باہر نہیں جائے گی۔ لہذا

اس نے بھی مناسب سمجھا کہ سعید کا انتظار ہی کرے۔

آج کل ہائی سرکل ناٹ کلب میں رقص کے پروگرام ہو رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ

اگر یہ لڑکی اس کے ساتھ ہوئی تو کلب میں اس کی خاصی وحوم رہے گی۔

آنے تقریباً آدھے گھنٹے تک سعید باہر کا انتظار کرنا پڑا پھر چینے ہی وہ آیا حمید اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا اندر چلا گیا۔ لڑکی برآمدے ہی میں رہ گئی۔

”میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں پکتان صاحب لیکن میری زندگی خطرے میں ہے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک آپ کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔“ حمید بولا۔

”میں ابھی تک دراصل اپنے ہی ایک معاملے میں ادھر کے چکر گاتا رہا ہوں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”بھی بات یہ ہے کہ ویرا اکو اری سیشن میرے ہی چارچ میں ہے اور میں آج آپ پر

یہ حقیقت واضح کر رہا ہوں کہ دونوں لڑکیوں کے اکو اری فارم ریکارڈ روم میں موجود ہیں۔

دونوں ہی لسلی براؤن اور مسٹر سعید باہر کی سیکریٹری۔“

”میرے خدا.....!“ سعید باہر منہ کھول کر رک گیا۔

”جی ہاں.....! یہ تعلقہ کلرک کی غلطی ہے کہ اس نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ آپ خود

کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ مرد بڑے کتے ہوتے ہیں۔ کبھی تمہارے لئے شخصی سائز بھریں گے۔ روئیں گے۔ گزگزا نہیں گے اور کبھی اس طرح منہ پھیر لیں گے چیزے۔ میں یا کھوں..... سعید باہر اور میں گھرے دوست تھے۔ ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن میں اس سے چھپ کر ملتی تھی۔ کیونکہ افریقہ کے انگریز بہت متصرف ہیں۔ وہ کالوں سے فروخت کرتے ہیں حالانکہ سعید باہر بہترے انگریزوں سے بھی زیادہ حسین ہے مگر اس کا تعلق کالی نسل سے ہے۔ اور اب میں کہتی ہوں کہ افریقہ کے انگریز اپنے تھبب میں حق بجا بھی ہیں۔ سعید باہر مجھے یہاں اپنی سیکریٹری بن کر لایا تھا اور اب یہاں آ کر ایک نئی صیبیت میں پھنسا دیا۔ مقصد میں نہیں جانتی کیا ہو سکتا ہے۔ یہ ہمارا ایک تفریجی سفر تھا۔ ویسے وہ اپنے کسی بھائی سے بھی ملنا چاہتا تھا۔“

”سعید کے آدمیوں کو تو اس کا علم ہو گا کہ تم اس کی سیکریٹری کی حیثیت سے سفر کرنے والی ہو۔“

”کوئی نہیں جانتا۔ کسی کو بھی اس کا علم نہیں۔ میرے عزیز اور دوست بھی سمجھتے ہیں کہ میرا سفر موبائل نکل محدود ہو گا۔ میں نے آنے سے بھی کہا تھا کہ میں تین ماہ موبائل میں قیام کروں گی۔“

”بھی وجہ ہے کہ سعید باہر.....!“ حمید جلد پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہو گیا۔

”ہاں! ہاں.....! کہنے.....! پنجی بات ہر حال میں کہہ دینی چاہئے۔ آپکی زبان رک کیوں گئی۔ آپ بھی کہنا چاہتے ہیں ناکرا اسی نے سعید اور زیادہ صفائی سے جھوٹ بول رہا ہے۔“

”خدا جانے.....! میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”ہاں..... آپ مجھے اس قید سے رہائی نہیں دلا سکتے۔ میں ابھی خاصی قیدی ہوں۔“ ناظم الامور کے دفتر سے سعید کو ہدایت ملی ہے کہ اکو اری کے دوران میں وہ مجھے اپنی گمراہی میں رکھے۔ مگر گمراہی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں کہیں قید کر دی جاؤں۔ سعید کے علاوہ میں اور کسی کو یہاں نہیں جانتی۔ مگر تازہ ہوا اور کھلے آسمان پر تو ہر آدمی کا حق ہوتا ہے۔ ان دیواروں میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں مر جاؤں گی۔“

رہے ہیں۔ میں بھی اسے صرف اسی حد تک پسند کرتی ہوں۔ ہماری شادی کا بھی کوئی امکان نہیں رہا ہے۔ پھر اس کی اس حرکت کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“

”تم اس کے اس بھائی کے متعلق کیا جانتی ہو جس سے ملنے کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔“

”کچھ بھی نہیں جانتی۔ اس نے بس یونیورسٹی میں اس کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ بھی محض اس لئے کہ وہ اس سے بہت مشابہ تھا۔“

”تم دونوں نے ساتھ ہی اپنی آمد یہاں درج کرائی تھی۔“

”ہاں! ہم دونوں ساتھ گئے تھے۔“

اسکے بعد حمید نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اس کے قریب ہی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

اسکے جسم سے اشتنے والی یوونگر کی بھنی بھنی خوشیوں حمید کے ذہن پر بڑی طرح مسلط ہوئی تھی۔ وہ بیداری میں خواب دیکھنے لگا تھا۔ ویسے اسے اس کا ہوش تھا کہ کہیں ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے۔ کار ہائی سرکل ناٹ کلب میں رکی، وہ دونوں ہاں میں جانے سے پہلے فیجر کے کمرے

میں گھس گئے۔ فیجر کرے ہی میں موجود تھا۔ حمید کو دیکھ کر بڑے ادب سے کھڑا ہو گیا۔

”کرٹن صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔“ اُس نے کہا اور لڑکی کو گھوڑے نے لگا۔

”کہاں تشریف رکھتے ہیں۔“ حمید بول کلا گیا۔

”ہاں ہیں..... ہو سکتا ہے انہیں علم ہو گیا ہو کہ آپ ایک سرو گزار شباب کے ساتھ یہاں

قدم رنجھ فرمائیں گے۔“

”شٹ اپ.....!“ حمید جھنجلا گیا۔

”ارے نہیں کپتان صاحب۔“

دل بہت بلیلی شیدا کا ہے نازک گھنیں

پھول گھوار میں یوں توڑ کے آواز نہ ہو

”فرنچ ٹوٹنے کی آواز پسند کرو گے۔“ حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”اررر..... دیکھئے..... بس دور ہی رہئے گا۔ بقول شاعر..... جی ہاں..... سراپا ناز آپ

کے ساتھ ہے اور آپ مجھ سے دھول دھپا کرنے چلے ہیں۔“

حمدیرک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی یہاں کیوں آیا۔ بھلا فریدی کو کسی

سوچ سکتے ہیں کہ سیشن کی کتنی بدنای ہوگی۔“

”یقیناً..... یقیناً.....!“

”بُس یہی چکر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج سے میں اس لڑکی کو چکر دینا شروع کر دوں اس طرح کام نہیں بنے گا۔ لہذا میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“

سعید بابر کی سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحے خاموش رہا، پھر نظر آمیز لمحے میں بولا۔ ”ناظم الامور کی دفتر سے.....!“

”مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کی گرانی میں ہے، مگر آپ یہ نہ بھولنے کے یہاں کے مجرم سراغِ رسانی کے ساتھ بھی فراڈ کیا گیا ہے۔“

”آپ جو مناسب بحثے کیجھ.....!“ اس نے مردہ کی آواز میں کہا۔ ”لیکن مجھے میری لسلی براؤن ضرور ملنی چاہئے۔ ورنہ میں اس لڑکی کو گولی مار دوں گا۔ بھائی سے تو ہاتھ دھو چکا۔ پتہ نہیں کیا چکر ہے۔“

” مجرم بہت جلد سزا کو پہنچیں گے۔“ حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت آمیز انداز میں کہا۔ ”جس کام میں کرٹل فریدی کا ہاتھ پڑ جائے اس کا پیرا اپار ہی بحثے۔“

جب حمید لڑکی کو ساتھ لے کر چلنے لگا تو سعید بابر نے اردو میں کہا۔ ”بہت محتاط رہئے گا کپتان صاحب۔“

”مجھے سے زیادہ محتاط آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا اور وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

”وہ آپ کا کہنا مان گیا۔“ لڑکی نے کہا۔

”میں ایک ذمہ دار آفسر ہوں۔ اس لئے اس وقت تمہیں یہاں کی ایک بہترین تفریغ گاہ میں لے جاؤں گا۔“

”اوہ..... آپ کا بہت بہت شکر یہ۔“

”تو سعید بابر نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”یقیناً..... مگر اس کا مقصد میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔ ہم دونوں ابھی تک محض دوست

ناٹ کلب سے کیا سروکار۔  
”میں فی الحال یہیں بیٹھوں گا۔“ حید نے اس سے کہا۔ ”جب فریدی صاحب پڑے جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔“

”گویا میں وہاں جا کر یہ دیکھتا ہوں کہ وہ کب تشریف لے گئے۔“  
”ہاں!“

”کیا آپ مجھے کوئی گراپا آدمی سمجھتے ہیں۔“ فیرنے اکڑ کر انگریزی میں کہا۔  
”اگر تم نے انگریزی میں اپنی قابلیت کا انہار کیا تو انہاری گروں مروڑ دوں گا۔“  
”آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔“

”تم بیٹھ جاؤ۔“ حید نے لڑکی کی طرف مرکر کہا۔ لڑکی غائب تھی۔ حید دروازے کی طرف چھپتا۔ مگر وہ براہمے میں بھی نظر نہیں آئی۔ حید ہاں کی طرف دوڑا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا گیا۔ ریکریشن ہاں میں بھی دیکھا لیکن وہ کہیں نہ تھی۔ پھر اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اسے حقیقت کپاڈ غصہ ہی کی طرف جانا چاہئے تھا۔ اگر لڑکی اسے جلدے کر نکل گئی تو ہاں میں جانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حالانکہ اب یہ فضول ہی تھا لیکن پھر بھی اس کے قدم کپاڈ غصہ کی طرف اٹھ گئے۔ وہ چھانک والی روٹے کر رہا تھا کہ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حید جھنجلا کر پلنا۔

”کیوں پریشان ہوں؟“ اس نے فریدی کی آواز سنی۔  
حید خاموش ہی رہا۔ جواب کیا دیتا۔

”لڑکی کے غائب ہو جانے کا غم ہے۔“ فریدی چڑھانے کے سے انداز میں بولا۔  
”اوہ..... تو یہ آپ تھے۔“ حید چونک کر بولا۔

”کوئاں مت کرو۔“ فریدی بگزگیا۔ ”تم اسے لائے کیوں تھے؟“  
”مجھے تو قع تھی کہ میں اس سے کچھ معلوم کر سکوں گا۔“

”کیا معلوم کیا۔“

”بھی کہ کوئی خوبصورت لڑکی دیرنک نہیں تھہر تی۔“

”تم نے میری ساری ایکسیم چوپٹ کر دی۔“ فریدی نے ناخنگوار لبجے میں کہا۔  
”پھر کوئی دوسری ایکسیم بن جائے گی۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔“  
”میں یہیں موجود تھا..... پھر مجھے کیسے علم نہ ہوتا۔“  
”تو آپ نے اسے نکل کیوں جانے دیا....!“  
”مخفف اس لئے کہ تم اپنا وقت نہ برباد کرو۔“  
”میں سعید بابر کو کیا جواب دوں گا۔“

”اے جواب دینا تمہارے فرائض میں نہیں۔ تم اپنے روز ناچے میں نہایت اطمینان سے لکھ سکتے ہو کہ تم پوچھ گجھ کرنے کے لئے اسے اپنے ساتھ آفیں لارہے ہے، ایک جگہ کار روک کر تم کسی کام سے اترے جب کار کی طرف واپس ہوئے تو وہ غائب تھی۔“  
”اے خرآپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔“

”یہاں مجرد داراب موجود ہے۔ اس کے ساتھ دلوں کیاں ہیں ان میں سے ایک کے ساتھ تم رقص کرو گے۔“

”میں شاید ناچنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہوں۔“ حید نے ناخنگوار لبجے میں کہا۔ ”میں مجرد داراب کو نہیں پچھاتا۔“  
”میں بتاؤں گا۔“ فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر ہاں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔  
”مگر وہ لڑکی۔“

”اے جہنم میں جھوکو..... مجرد داراب کے ساتھ دلوں کیاں ہیں۔“  
فریدی اسے ہاں کے صدر دروازے تک لا دیا۔

”وہ ادھر..... بڑی پیٹنگ کے نیچے والی میز پر..... وہی مجرد داراب ہے۔ اس کے قریب والی میز خالی ہے..... میں نے مخصوص کر لائی ہے۔“

”کیا آپ کو علم تھا کہ میں یہاں آؤں گا۔“

”ہاں مجھے علم تھا اور یہ کوئی ایسی حریت انگیز بات نہیں جس کے متعلق سوچنے میں تم اپنا وقت برباد کرو۔ آج صبح تم نے ربیش سے کہا تھا کہ تم لسلی براؤن کو یہاں رقص میں لانے کی

کوش کرو گے..... بن اب جاؤ۔"

فریدی برآمدے سے کپاٹ میں اتر گیا۔ حمید پر اب بھی اُسی لڑکی کی گشادگی کی فکر سوار تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخروہ اس طرح اور اتی جلدی غائب کہاں ہو گئی۔ اب وہ پھر نیجر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ نیجر نے اُسے دیکھ کر ایک مختل سانس لی اور کرسی کی پشت سے نکل گیا۔ حمید نے اس بار اس سے کوئی نہ ابرتا نہیں کیا۔

"کیا تم نے اُسے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"پرواہ نہ سمجھے کپتان صاحب۔ یہ سگدال ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

دیکھیں محشر میں اُن سے کیا ٹھہرے

تھے وہی بت۔ وہی خدا ٹھہرے

"میں شعر سننے کے موڑ میں نہیں ہوں۔ میری بات کا جواب دو۔"

"جی ہاں۔ میں نے اُسے باہر جاتے دیکھا تھا۔ ایک لڑکی نے اشہار سے اُسے بلایا تھا۔"

"لڑکی نے.....!"

"جی ہاں..... آپ مطہن رہئے۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا۔" نیجر متین خیز انداز میں سکرایا۔

حمدیہ زید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مر گیا۔ اُس نے نیجر کے قہقہے کی آواز سنی۔

لیکن وہ اس وقت اس سے الجھنے کے موڑ میں نہیں تھا۔

وہ ہاں میں آیا اور سیدھا اُس خالی میز کی طرف پلا گیا جو فریدی نے غالباً اسی کے لئے مخصوص کرائی تھی۔ میجر داراب خاموش بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ تھی دلو لاکیاں آپس میں اوپنی آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ میجر داراب ایک دبلہ پلا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو حصی ہوئی تھیں۔ سرد طبیعت آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ظاہر ایسا ہو رہا تھا جیسے اُسے ان لڑکیوں سے کوئی دچکی نہ ہو۔ شاید وہ ان کی گفتگو بھی نہیں سن رہا تھا۔

حمدیہ نے لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک طویل سانس لی اور سنکیوں کی طرح بڑراہتا ہوا چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں لڑکیاں سفید فام اور قبول صورت تھیں۔ اچانک ایک دیٹر میجر داراب کی میز کے قریب آ کر نہایت ادب سے جھکا اور آہستہ کچھ کہنے لگا۔ لاکیاں خاموش ہو گئیں۔ حمید نے میجر داراب کو اٹھ کر جاتے دیکھا۔ وہ اُس دروازے سے

بیکرے میں داخل ہو رہا تھا جو ہاں میں کھلتا تھا ہو سکتا ہے کہ اُس کی کوئی شیلی فون کاں رہی ہو۔ بھی رقص شروع ہونے میں دریتی اور زیادہ تر لوگ ہاں ہی میں تھے، کبھی بھی ریکری یعنی ہل کی طرف سے موسمیتی کی ایک لہر آتی اور پھر سکوت طاری ہو جاتا۔ شاید آپ پڑھا مائیک شٹ کر رہا تھا۔ حمید بہت مغموم نظر آ رہا تھا۔ لڑکیوں نے اُس کی طرف دیکھا اور پھر گفتگو میں مشغول ہو گئیں۔ اتنے میں وہی دیٹر آیا پھر ان کی میز کے قریب آ کر بولا۔ "صاحب کسی ضروری کام سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کے لئے کہا ہے کہ آپ یہیں تشریف رکھیں گی۔"

"اوہ.....ٹھیک جاؤ۔" ایک لڑکی بولی۔ پھر اُس نے دوسرا کی طرف جمک کر آہستہ سے کچھ کہا اور دونوں بیسانہ نہیں پڑیں۔ حمید نے بھی قہقہہ لگایا اور جیسے ہی لڑکیوں نے اُس کی طرف دیکھا اُس نے گویا اپنے قہقہے میں بریک سالگا دیا اور کچھ پیشان سا بھی نظر آنے لگا۔ لڑکیاں چند لمحے اسے غصیل نظر وں سے دیکھتی رہیں، پھر انہوں نے دوسرا طرف منہ پھیر لیا۔ حمید بوکھلانے ہوئے انداز میں اٹھا اور ان کی میز کے قریب جا کر بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

لڑکیوں نے پھر اُسے گھوڑ کر دیکھا اور حمید ہکلایا۔ "ایک بیوقوف آدمی سمجھ کر معاف کر دیجئے۔ میں دوسروں کو ہبنتے دیکھ کر خود بھی ہبنتے لگتا ہوں۔ جو لوگ مجھ سے واقف ہیں فوراً معاف کر دیتے ہیں۔"

"تم ایسے ہو..... اسی لئے اپنی میز پر تھا نظر آ رہے ہو۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"نمیں اُس کی وجہ تو دوسرا ہے۔" حمید ایک کری کھنچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

ایک لڑکی کی آنکھوں میں احتیاج تھا لیکن دوسرا بدستور مسکراتی رہی بلکہ حمید نے بھی یہ دیکھا کہ اُس نے اس لڑکی کو آنکھ ماری تھی۔

"تم شاید شیری پیتی ہو۔" اس نے دوسرا لڑکی سے کہا۔ ایک لمحہ خاموشی رہی پھر بولی۔

"میں پورٹ پیتی ہوں۔"

حمدیہ نے دیٹر کو اشہار سے باہر کر پورٹ اور شیری کے لئے کہا اور اپنے لئے کافی ملکوا۔ ہی رہا تھا کہ ایک لڑکی بولی۔ "واہ..... تم کافی پیو گے۔ نہیں یہ غلط ہے۔ دیٹر! الارج وہی اور

”یہ کیا کر رہے تھے آپ.....!“ وہ ہانپتا ہوا بولा۔  
 ”ہائے..... تم آگئے..... مری جان..... باٹھو..... باٹھو.....!“  
 ”نہیں..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔“  
 ”تمہیں بیٹھنا پڑے گا۔“ حمید نے اسے جھبھوڑ کر زبردستی بھا دیا۔  
 ”ارے ارے..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں..... ہائے۔“  
 ”مجھے اشعار سناؤ..... میری جان.....!“ حمید جھک کر اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولा۔  
 ”میں اس وقت آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا..... آپ نہ میں ہیں۔“  
 ”تم کتے کے پلے ہو..... مجھے شعر سناؤ۔“  
 ”آپ میری توہین کر رہے ہیں۔“

حید نے میز پر جھک کر اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا اور فجراً اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے آس پاس قہقہے ہی قہقہے تھے۔ ویسے چونکہ وہاں اونچے ہی طبقے کے لوگ آتے تھے، اس لئے ہر بولگ صرف اسی میز تک محدود رہی۔  
 ابھی یہ دھینگا مشتی کسی فیصلہ کن منزل پر نہیں پہنچی تھی کہ مجردار اب آ گیا۔ یہ سیاہ سوت میں ٹلویں تھا اور دبلا ہونے کی وجہ سے غیر معمولی طور پر دراز قد معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے میں ٹلوں تھا اور دبلا ہونے کی وجہ سے غیر معمولی طور پر دراز قد معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے میں حیرت سے دیکھتا ہا پھر آہستہ آہستہ گے بڑھ کر میز کے قریب پہنچ گیا۔  
 ”یہ میز میرے لئے مخصوص تھی۔“ اس نے سرد لبھ میں فجراً سے کہا۔  
 ”اب آپ دیکھ رہے ہیں جناب مجرما صاحب..... یہ نہ میں ہیں۔“ فجراً ہانپتا ہوا بولा۔  
 ”میں ان سے یہی کہنے آیا تھا کہ یہ مجرما صاحب کی میز ہے۔“  
 ”کون ہے۔“ مجردار اب نے خوارت سے پوچھا۔  
 ”کیپن حید.....!“

”یو شٹ اپ..... ہل و دیو.....!“ حمید نے فجراً کو جھبھوڑ ڈالا۔  
 ”کیپن پلیز..... میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ.....!“ داراب غرایا۔  
 ”خاموش رہو، کچھوے..... ورنہ میں تمہیں سیکن دفن کر دوں گا۔“ حمید تن کر کھڑا ہو گیا۔

سوڈا یا جو یہ پسند کریں۔“

”لارج وسکی اور سوڈا۔“ حمید شجھی میں آ کر بولا۔ اس نے سوچا ایک آدھ گپ میں کیا بگزے گا۔ انکار کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکیاں اسے بالکل ہی چھڑ کر دھکار دیں۔ اگر فریدی نہ کہتا تب بھی اسے کم از کم ایک ساتھی کی ضرورت یقیناً محسوس ہوتی۔

مگر جب دور شروع ہو جائے تو معاملہ ایک ہی آدھ گپ تک محدود نہیں رہتا۔ لڑکیاں عادی معلوم ہوتی تھیں، مگر حمید اتنا ہڑی تھا۔ اس نے شاید زندگی میں دو ہی چار بار شراب پی تھی اور ہر موقع پر کھوپڑی سے باہر ہو گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی یہی ہوا اور پھر کھوپڑی سے باہر ہونے کے بعد کہاں کی لڑکیاں اور کہاں کا رقص۔ حمید نے آگے پچھے جھوٹ کر کہا۔

”میں..... جھولا..... جھولوں گا.....!“  
 ”پہلے مل ادا کرو۔“ ایک لڑکی بولی۔

حمدید نے جھلا کر جیب سے پرس نکالا اور اسے میز پر پختا ہوا بولा۔ ”کیا غریب بھتھی ہو مجھے..... میں..... لسل..... لسل..... لسلی براؤں ہوں..... ہاں۔“  
 لڑکی نے پرس سے کچھ نوٹ نکال کر ویٹر کی لائی ہوئی ٹڑے میں ڈال دیئے اور پرس پھر حمید کی جیب میں ٹھوں دیا اور اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئیں۔

”ہائے..... میں..... بھی..... میں بھی۔“ حمید اٹھتا ہوا بولा۔ مگر وہ اتنی دری میں ہال سے نکل چکی تھیں۔ حمید نے قریب سے گذرنے والے ایک ویٹر کی گردن پکڑ لی۔  
 ”جی صاحب۔“ ویٹر بوكھلا گیا۔ یہاں کے سارے ویٹر حمید کو پیچانتے تھے۔  
 ”فجراً کو بھج دو..... میں شعر سننا چاہتا ہوں۔“

”اچھا صاحب.....!“  
 حمید نے اس کی گردن چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”اگر تم اسے نہ لائے تو..... میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔“

شامت اعمال کو فجراً خود ہی کسی کام سے اُدھر آنکھا تھا۔ اس نے حمید کو ویٹر کی گردن پکڑتے دیکھا اور قریب قریب دوڑتا ہوا اس کی میز کی طرف آیا۔

”دیکھا میر صاحب۔“ فیجیر اچھل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ ”دیکھا آپ نے ... ان حضرت نے کلب کو کباڑ خانہ بنار کھا ہے۔ زبردست سخن ہے .... اب آپ سے بھی بدتریزی فرا رہے ہیں۔ خدا ان پولیس والوں سے سب کو حفوظ رکھے ..... آمین ..... بقول شاعر...!“

حمد و داراب ایک دوسرے کو خونوار نظریوں سے گھور رہے تھے۔

اچاک داراب بڑی بھرتی سے جھکا اور حميد کو اپنے بازوؤں میں جکڑ کر اوپر اٹھایا۔ اس کی یہ حرکت میر جے سے کم نہیں تھی۔ وہ بہت دلا تھا۔ اس کے چہرے پر ہر وقت مردنی کی چھائی رہتی تھی۔ گال پیچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ وہ کسی زندہ آدمی کا چہرہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر بھی اس نے حید جیسے قوی یہکل آدمی کو اٹھایا تھا اور حميد اس کی گرفت میں اس طرح ہاتھ پر میر رہا تھا جیسے کوئی نجما سا بچہ کسی بڑے کی گود سے اتنے کی کوشش کر رہا تھا۔

## سنستان سڑک

وہ اسے اسی طرح اٹھائے ہوئے چلارہا۔ ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا اور حميد کا نش... وہ تو بھی کاہرن ہو چکا تھا۔

سمجر داراب نے برآمدے میں بیٹھ کر آہش سے اسے اٹا دیا۔

”اب تم گھر جاسکتے ہو.....!“ اس نے سرد لبجھ میں کہا۔ ”اگر کوپڑی پر کشڑوں نہیں رہتا تو پیتے کیوں ہو۔“

حید کی مٹھیاں بھینچ گئیں لیکن قبل اس کے کروہ کوئی اقدام کرتا، میر داراب ایڑیوں پر گھوما اور ہال میں چلا گیا۔ وہاں بھی نشے کی ترکگ میں تھے اس لئے کسی نے بھی یہاں تک آنے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔ بس اپنی جگہوں پر بیٹھے بنتے رہ گئے تھے۔

حید آہستہ آہستہ میر کے کمرے کی طرف چلے گا۔ اس کی حالت ابتر تھی۔ سارا سرور رخصت ہو گیا تھا۔ اسکی بے عزتی سے بکھی اس کا ساتھ نہیں پڑا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ خبر پر لگا

کرسارے شہر میں اڑتی پھرے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اخبارات بھی زہر اگلیں۔ انہیں تو بس پولیس افراد کے خلاف کچھ لکھتے کا بہانہ مل جانا چاہئے۔

وہ فیجیر کے کمرے میں داخل ہوا۔ کرہ خالی تھا۔ وہ ایک آرام کری میں گر گیا۔ اس کے پیسے کی بوندیں تھیں اور آنکھیں سرخ۔ سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ تقریباً ایک منٹ تک اسی طرح پڑا رہا تھا، پھر اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ میر جیر کمرے میں داخل ہوا لیکن وہ دروازے بھی کے قریب رک گیا تھا۔

اچاک وہ سورچانے والے انداز میں کہنے لگا۔ ”زیادتی آپ بھی نے کی تھی جتاب! آج آپ نے میری بہت بے عزتی کی ہے۔ میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔ آپ مجھ پر ظلم کرتے ہیں۔“

”حید سید ہابیٹھا ہوا بولا۔“ مجھے افسوس ہے۔“

میر جیر ہکا بکارہ گیا۔ اسے حید سے اس رویہ کی توقع نہیں تھی۔ شاید وہ سمجھا تھا کہ حید میر داراب کا غصہ اس پر اتارتے گا۔

”دیکھئے تا کپتان صاحب۔“ وہ آگے بڑھ کر ناصحانہ انداز میں کہنے لگا۔ ”آپ ایک بہت بڑی پوزیشن کے مالک ہیں۔ آپ کو ہر وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے آپ بعض اوقات عام آدمیوں کی سی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔“

حید کچھ نہ ہوا۔ میر کہتا رہا۔ ”اب آپ خود سوچئے۔ اس وقت یہ بات کہاں تک پھیلے گی۔“

”ہاں..... آں..... تم اپنا کام کرو۔“ حید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”میں تھوڑی دریکت یہوں گا۔“

”آپ زندگی بھر یہیں بیٹھئے۔ مجھے خوشی ہو گی۔“ گر آپ کی رسوائی مجھے بھی گراں گذرے گی۔ میں اتنی تدر کرتا ہوں آپ کی۔“

”اب یہ گراموفون بند کرو۔ یا باہر چلے جاؤ۔“ حید غایا۔

میر جیر چپ چاپ اپنی کری پر جا بیٹھا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ میر جیر نے رسیور اٹھایا۔

پھر حید کی طرف بڑھ کر بولا۔ ”آپ کافون ہے۔“

”بیلو۔ حید اسیٹاگ۔!“ حید نے رسیور لے کر ماڈ تھوپیں میں کہا۔

ٹھنڈی ہوا گلتے ہی حمید کی پلکیں بھاری ہونے لگیں۔ اُس نے پاپ میں تمبا کو بھری، اور پشت گاہ سے نیک لگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اسے محبر داراب کے پیچھے کیوں لگایا تھا۔ اتنا اُسے معلوم ہوا تھا کہ سعید بابر نے اپنے ہمچل بھائی کے سلسلے میں داراب کا نذکر کیا تھا۔ اُس کے پہلے ڈرافٹ پر محبر داراب ہی نے تصدیق کی تھی اور الائیڈ پینک میں اس کا اکاؤنٹ بھی اسی کی سفارش پر کھولا گیا تھا۔ مگر کم از کم داراب کے متعلق یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ تین ہزار روپے ماہوار پر اپنی نیت خراب کر بیٹھتا۔ وہ لاکھوں میں بھی نہیں کروڑوں میں کھیلتا تھا۔ اس کے لئے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی رقم اتنی کشش نہیں رکھتی تھی کہ وہ اس کے لئے اسکی پر اسرار وارداتیں کرتا۔ فریدی نے تو اس کی لاکیوں میں سے ایک کے ساتھ قص کرنے کو کہا تھا۔ مقصد کچھ بھی رہا ہو۔ حمید کو سب سی زیادہ جبرت اُس لاش نما آدمی کی طاقت پر تھی۔ اُس نے اُسے پھول کی طرح اٹھایا تھا۔

حمد کو ایک بار پھر اُس پر غصہ آگیا اور اُس نے ایک بہت بڑی قسم کھائی کر دے اُس سے اپنی اس توہین کا بدل ضرور لے گا۔

حمد نے ٹیکسی کمپاؤنٹ میں لے جانے کے بجائے چماک ہی پر رکوادی۔ کیونکہ قاسم چماک ہی پر ٹھیں رہا تھا۔ اس کے ساتھ سلیمان بھی تھی۔

”میں ہمیں تم سے ٹھنکو کرنا چاہتا ہوں۔“ قاسم نے کہا۔ ”گھر میں گھپلا ہو جائے گا۔“  
”کیا بات ہے۔“

”یہ سالا..... سعید بابر..... مصیبت ہو گیا ہے۔“ اور سلیمان کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہاں..... یہ آدمی مجھے خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیوں میں ایسا محبوں کرتی ہوں وہ بظاہر برا خوش اخلاق ہے، مگر کوئی چیز..... نہ جانے کیا چیز ہے اس میں..... جس کی بناء پر اُس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔“

”مگر وہ تم لوگوں کے لئے کیوں مصیبت ہو گیا ہے۔“

”میں نہیں پسند کرتا۔“

”کیا نہیں پسند کرتے۔“

”اب مجھے اپنی شکل نہ دکھانا سمجھے۔“ دوسرا طرف سے فریدی کی عصیلی آواز آئی۔

”بہت بہتر.....!“ حمید نے جھلا کر کہا اور ریسیور کو کریئل پر ٹھیک کر پھر اسی کری میں آگرا شراب کا اثر تو بھی باقی ہی تھا۔ دماغ میں گری تھی۔ خون جوش کھارہ تھا۔ اُسے فریدی پر غصہ آگیا اور وہ سوچنے لگا کہ کل ہی اپنی پہلی فرصت میں استحقی دے دے گا۔ مگر یہ رات کہاں بسر ہو گی..... اُس نے سوچا۔ کیوں نہ قاسم ہی کے گھر چلا جائے۔

یہ سوچ کروہ باہر نکلا۔ اس وقت دوبارہ ہاں میں واپس جانا ممکن نہیں تھا۔ بے خیال میں وہ اس طرف چل پا جہاں کارکھڑی کی تھی۔ مگر کار و ہاں موجود نہیں تھی۔ شاید فریدی اُسے لے گیا تھا۔ وہ کمپاؤنٹ سے باہر نکلا۔

”تحوڑی در بعد وہ ایک دوافروش کی دوکان سے قاسم کو فون کر رہا تھا۔

”ہیلو.....!“ دوسرا طرف سے ایک نسوائی آواز آئی۔

”میں حمید ہوں..... قاسم ہے گھر پر۔“

”میں سلیمان ہوں..... کہنے حضرت خوب غائب ہوئے۔“

”بہت مشغول تھا۔ ذرا قاسم کو فون پر بلایے۔“

”ٹھہریے..... ایک منٹ.....!“

حمد انتظار کرتا رہا۔ تحوڑی در بعد آواز آئی۔ ”واوں..... واوں..... ہالو..... واوں.....

واوں..... میں خاتا..... خارہا ہوں..... ہالو.....!“

”قاسم.....!“ حمید نے کہا۔ ”میں رات تھمارے بیہاں بر کرنے آ رہا ہوں۔“

”ہاں میں..... واوں..... واوں..... قیام طالب.....!“

”بس یونہی..... گھر نہیں جانا چاہتا۔“

”ہاچھا..... آ جاؤ..... آ جاؤ..... واوں..... واوں..... واوں..... واوں.....“

ضاروری بات کرنی ہائے..... واوں..... واوں.....“

حمد نے ریسیور رکھ دیا۔ باہر آ کر ایک ٹیکسی کی اور قاسم کی کوئی تھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ سردی بہت زیادہ تھی اور آج ہوا بھی بہت تیز تھی۔ شراب کا اثر بھی زائل نہیں ہوا تھا۔

بڑوی تھا کہ وہ قاسم کی ہاں میں ہاں ملا۔۔۔  
قاسم نے مزید سوالات نہیں کئے۔ وہ تھوڑی دیر بعد ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ سلیمان حمید  
کہا تھا عی رہی۔ ساتھ ہی وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں فون تھا۔ اُس نے سعید بابر کے  
نمبر دائل کرنے، وہ گھر ہی پر موجود تھا۔ اُس نے اُسے وہ ری خبر سنائی اور سعید بابر کر جنے لگا۔ ”میں  
نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا..... اب بتائیے! میں ناظم الامور کے دفتر کو کیا جواب دوں گا۔“  
”آپ نہایت طیناں سے اس کا سارا بار بیہاں کے حکم سراغِ رسانی پر ڈال سکتے ہیں۔  
لماہر ہے کہ بیہاں کے حکم سراغِ رسانی کے ساتھ بھی فراہڈ کیا گیا ہے۔۔۔ لہذا!“

”سب جہنم میں جائے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ملسلی مجھے واپس ملنی چاہئے۔ وہ  
لسی براون جو میرے ساتھ آئی ہے۔“  
”آپ پرواہ نہ کیجئے۔“ حمید نے کہا۔ ”اس کا اس طرح غائب ہو جانا آپ کے حق میں  
بہت اچھا ہوا ہے۔“

”میرے حق میں کیا اچھا ہوا ہے۔“ سعید غایا۔  
”وہ حکم سراغِ رسانی آپ کے محاٹے میں پوری طرح دلچسپی لینے لگے گا۔ ویسے اسے اس  
فقیر سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی جو آپ کا ہم شکل تھا۔ آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت تو نہیں کہ وہ  
آپ کا بھائی ہی تھا۔“

”دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔“ حمید نے کہا۔ ”ہیلو!“  
”میں!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ہاں آپ تمیک کہہ رہے ہیں مگر میری وہ  
رپورٹ کی میری زندگی بیہاں خطرے میں ہے۔ اس کے لئے آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔“  
”بہت کچھ کہہ رکھ رہے ہیں آپ مطمئن رہے۔“ حمید نے کہا اور جواب کا انتظار کے بغیر  
رسیور کھدیا۔

سلیمان نے پوچھا۔ ”کیا وہ لڑکی آپ کے ساتھ تھی۔“  
”ہاں! میں اسے ہیڈ کوارٹر لے جا رہا تھا۔۔۔ راستے میں وہ دھوکا دے کر نکل گئی۔“  
”یسلی براون والا واقعہ کیا حیرت انگیز نہیں ہے۔“

”اُس کی اور راطھ کی دوستی۔۔۔ وہ دن میں کئی بار آتا ہے۔ دونوں میں سر پوشیاں ہوتی  
رہتی ہیں۔“  
”سر پوشیاں۔۔۔ کیا!“  
”سر پوشیاں نہیں جانتے۔“ قاسم نے تھہر لگایا۔ ”بڑے قابل بنتے ہو، کان پکڑ تو تادول۔“  
حمدید نے ہاتھ بڑھا کر قاسم کا کان پکڑ لیا اور قاسم مکرا کر بولا۔ ”تمیک ہے۔۔۔ سر  
پوشیاں۔۔۔ وہی آہستہ آہستہ باقیں کرنا۔“  
سلیمان بے تھاشہ فس پڑی۔

”ابے سرگوشیاں۔۔۔ لم ذہگ!“  
”ہاں میں۔۔۔ تم نے میرا کان پکڑ رکھا ہے۔“ قاسم اس کا ہاتھ جھکلتا ہوا بولا۔ ”دھوکے  
باڑ۔۔۔ میں نے تم سے اپنا کان پکڑنے کو کہا تھا۔“  
”ایک ہی بات ہے۔“ حمید نے کہا۔ پھر وہ سلیمان سے بولا۔ ”کیا آپ کو بھی اُن دونوں کا  
ملتا ناگوار ہے۔“  
”میں نے صرف یہ کہا تھا کہ بابر جو کچھ بھی نظر آتا ہے، حقیقتاً نہیں ہے۔“  
”آپ کے پاس کوئی ثبوت بھی ہے۔۔۔ یا یہ محض قیاس ہے۔“  
”میں محسوں کرتی ہوں۔“

”اُن سے زیادہ میں محسوں کرتا ہوں۔“ قاسم بولا۔ ”اس سالے کو مرغیا بنانا چاہئے۔ تم  
نے دیکھا نہیں وہ کتنا کمین۔۔۔ اُس بیچاری پیلی براون کو ساتھ لایا اور بیہاں آ کر کہہ دیا کہ میں  
تو اسے بیچاتا ہی نہیں۔“  
”ملسلی براون۔۔۔“ حمید نے صحیح کی۔

”میرے ٹھیکنے سے وہ کوئی براون ہو۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ وہ بڑا کمینہ آدمی ہے۔“  
”وختا حمید کو خیال آیا کہ اُسے لسلی براون کے متعلق سعید بابر کو فون کرنا چاہئے۔ اُس نے  
قاسم سے کہا کہ وہ سعید بابر کو فون کرنا چاہتا ہے۔ قاسم کے استفسار پر اُس نے بتایا کہ وہ خود  
سعید بابر کو تمیک کرنے کے چکر میں ہے۔ قاسم کی چھت کے نیچے رات بُر کرنے کے لئے ہے۔

”یہ بہت ضروری ہے تھا گے بغیر اس آدمی کو علاش کر لینا آسان کام نہ ہوگا۔ میں دراصل ابھی تک اُن نشانات کو نہیں سمجھ سکا جو سید بابر کی کمپاؤٹر میں ملے تھے۔ وہ کسی جانور کے پیر کا نشان تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے مگر اسے کسی آدمی کے پیر کا نشان سمجھنے میں بھی دشواری پیش آئے گی۔ اسے کسی آدمی کے پیر کا نشان سمجھنے میں مجھے تال ہے۔“

”ہو سکتا ہے وہ نشان محض دھوکا ہی ہو۔ میں نے آپ سے کسی کیس میں پرندوں کے نیجوں کے نشانات کے متعلق پڑھا تھا۔ مگر وہ جتوں کے تسلی میں لگے ہوئے خاص قسم کے نطقوں کے نشانات ثابت ہوئے تھے۔“

”ہو سکتا ہے..... بھی بات ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ کسی جوتے کے سول کے نشانات بھی ہو سکتے ہیں مگر اتنے چوڑے جوتے بھی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ انہیں کے پیچے کے ابھار کی چوڑائی تقریباً سات انچ تھی۔ چلو میں یہ بھی مانے لیتا ہوں کہ وہ اتنے ہی چوڑے جوتے ہوں گے، لیکن پینے والے کے پنجے اتنے چوڑے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ جب پنجے اتنے چوڑے نہیں ہو سکتے تو پورے سول پر یکساں دباؤ ہرگز نہیں پڑ سکتا۔ جب یکساں دباؤ نہیں پڑ سکتا تو نشان کے بعض حصے یقیناً غیر واضح ہونگے۔ مگر ہمیں ایک نشان بھی ایسا نہیں ملا جس کا کوئی حصہ غیر واضح ہوتا۔“ ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ”مگر آپ بالکل میں اس کے متعلق.....!“

”ہاں..... میں اسی کے متعلق وہاں معلومات فراہم کرنے کی توقع رکھتا ہوں۔ تمہیں چڑھائی والے ہوٹل میں چھوڑ دوں گا۔“

”مگر آج حمید صاحب کہاں ہیں۔“

”وہ ایک دوسرا کام انجام دے رہا ہے۔“ فریدی نے ناخنگوار لبجھ میں کہا۔ لبجھ کی تمنی ریکھا نے محسوس کر لی اور اس قسم کے سوالات کرنے لگی جن کے جواب تی سے وہ اس تمنی کی تہہ تک پہنچ جائے لیکن فریدی سے کچھ معلوم کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ حمید والے واقعے کی تشبیہ نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے پہلے ہی انتظام کر لیا تھا کہ اس کی بُر اخبارات میں نہ آنے پائے۔ ریکھا کے سوالات کے جواب ایسے نہیں تھے جن سے وہ واقعات کا اندازہ کر سکتی۔ پھر وہ خاموش ہو گئی۔

”اپنے لئے کچھ بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔ ”میری زندگی کا حیرت انگیز دن وہ ہو گا جب کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔“

”مگر اس دن آپ معموم بھی ہوں گے۔“ سلیمانہ بولی۔ ”کیونکہ کوئی زندہ لڑکی تو آپ سے شادی کرنے سے رہتی۔“

”میرے لئے یہ موضوع بہت زیادہ المناک ہے۔ اس لئے اسے سیلیں ختم کر دو۔“



فریدی کی کار تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی سنان سڑک پر تیرتی رہی۔ لیڈی انپکٹر ریکھا اس کے برادر بیٹھی ہوئی اندر ہرے میں آنکھیں چھاڑ رہی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے اور پھر بند کرنے لئے۔ فریدی کی نظر و نہشیلڈ پر تھی۔ اچانک وہ بولا۔

”ہماری یہ ہم خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے میں تمہیں ساتھ لانے سے احتراز کر رہا تھا۔“ آپ فکر نہ کیجئے..... اس کی تمام تر ذمہ داری خود مجھ پر ہے۔ آپ بتائیے کیا صرف فالکوں میں سرکپانے سے میں آگے بڑھ سکوں گی۔“

”اگر تم صرف تعاقب کرنے کے آرٹ پر زور دو تب بھی تھہارا مستقبل محفوظ ہی ہو گا۔ میں اس وقت جس ہمپ پر جا رہا ہوں، وہ کم از کم کسی عورت کے بس کی نہیں۔“

”آپ کہاں جا رہے ہیں۔“

”بالی کیمپ..... وہاں ایک آدمی رہتا ہے۔ جس تک پہنچنے کے لئے کافی دشواریوں کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑی سی ورزش بھی کرنی پڑے۔ ورزش کا مطلب غالباً تم سمجھتی ہی ہو گی۔ نہیں میں تمہیں وہاں تک ہرگز نہیں لے جاؤں گا۔ تم چڑھائی والے ہوٹل میں میرے فون کا انتظار کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں فون کرنے کی ضرورت محسوس کروں۔ ہو سکتا ہے کہ بات بڑھ جائے اور بالی کیمپ کے تھانے سے مدد طلب کرنی پڑے۔ یہ کام تم وقت پر انجام دے سکو گی۔“

”اگر وہ ایسی ہی خطرناک جگہ ہے تو آپ وہاں تھا کیوں جائیں۔“

بیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح فائز کرے گا۔ ایک ہاتھ اشیئر گپ پر ہوگا دوسرا سے وہ فائز رہے گا۔ اس کے لئے اسے کھڑکی کی طرف اتنا جھکنا پڑے گا کہ اشیئر گپ والا ہاتھ بہک بھی لٹکا ہے۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں کیونکہ فریدی نے روائی کے وقت ہی اس میں کے خطرناک ہوجانے کے امکانات ظاہر کئے تھے۔ مقصود یہی تھا کہ ریکھا اُس کے ساتھ نہ جائے۔

فریدی نے ریوالور والا ہاتھ کھڑکی کے باہر نکلا۔ موڑ سائیکل، سوار سیست کار کی اگلی روشنی میں نہایت ہوئی تھی۔ فریدی کھڑکی کی طرف جھکا۔ مگر ریکھا کی نظر اشیئر گپ پر رکھ کر ہوئے ہاتھ پر تھی۔ اچاک فریدی کے منہ سے ہلکی سی کراہ ٹکلی اور کار ایک جھکلے کے ساتھ رک گئی۔ ریکھا کا سرڈیش بورڈ سے جاگلکرایا۔ فریدی نے پورے بریک لگائے تھے۔ موڑ سائیکل فرانٹ بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ فریدی کا داہنہ ہاتھ اب بھی کھڑکی کے باہر ہی تھا اور وہ کسی چیز کو باہر طرف دھکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”انجمن بند کر دو.....؟“ اُس نے ہانتے ہوئے کہا۔

ریکھا بھکلا گئی۔ کار کے اندر اندر ہوا تھا۔ بہر حال اُس نے بڑی پھرتی سے انجمن بند کیا۔

”روشنی.....؟“ فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ ریکھا کی یاری اس کے زانوں کے قریب ہی پڑی تھی۔ اُس نے کھڑکی میں اس کی روشنی ڈالی اور دوسرا سی لمحے میں اُس کے منہ سے ہلکی ہی چیخ نکل گئی۔ فریدی کی داہنی کلائی ایک خوفناک کتے کے جیزوں میں تھی۔ فریدی نے بائیں ہاتھ سے اس کے سر پر ایک گھونسہ رسید کیا اور وہ غرما نا ہوا دوسری طرف پلٹ گیا۔ اس پر پوری طرح روشنی پڑ رہی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر دراز قدر تھا۔ رنگت سیاہ تھی۔ جسم کی ہیادوں کرے ہادٹ کی سی تھی۔ سر پر تین سفید دھاریاں تھیں۔ کتنے ایک بار پھر چھلانگ لگائی اور آدم سے حذر سے کھڑکی میں گھس آیا۔ ریکھا پھر چھپی۔

اس بار فریدی نے اسے باہر ھکل دیا۔

”تمہارا پتوں..... یاری جلاو۔“

ریکھا نے پھر یاری روشن کی۔ بدقت تمام بلاوز کے گریان سے پتوں نکلا۔ اس دوران میں فریدی نے کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا۔ کتنا چھل اچھل کر اس پر پچھے مار رہا تھا۔ فریدی

”اچاک کار کی داہنی سمت سے ایک تیز رفتار موڑ سائیکل ٹکلی اور نمیک کار کے سامنے دوڑنے لگی۔ کار سے اس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دس گز رہا ہو گا۔ فریدی نے چاہا کہ اپنی کار داہنی طرف سے آگے لے جائے لیکن اس کی کار کی ہیئت لا یہیں کا ڈاٹریکشن بدلتے ہی موز سائیکل اب بھی سامنے ہی تھی۔ فریدی نے بائیں جانب سے لکھا چاہا لیکن اس بار بھی وہی واقعہ پیش آیا۔

”بالکل گدھا ہے کیا.....؟“ ریکھا بڑا بڑا۔

”نہیں شاید میں گدھا بننے والا ہوں۔ یاری اور ریوالور سنجا لانا۔“

”خطرہ.....؟“ ریکھا بڑا بڑا۔

”یقیناً..... اب اس کی رفتار بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ یا تو مجھے رفتار کم کرنی پڑے گی یا کار روکنی پڑے گی۔“

پھر فریدی نے عقب نما آئینے کی طرف دیکھا مگر پچھے سڑک سنان پڑی تھی۔ زندگی یا دور کہیں بھی کسی کار کی ہیئت لا یہیں نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔

”کیا قصہ ہے۔“ فریدی بڑا بڑا۔

”کیا میں اس کے پچھے پہنچے پر فائز کروں۔“ ریکھا نے پوچھا۔

”نہیں..... یہ کام میں ہی کروں گا۔“

”کیسے..... کیجھے گا۔“

”دیکھو! بتا ہوں..... مگر خبرہو..... میں ایک بار اسے متباہ کر دوں۔“

پھر فریدی نے چیخ کر کہا۔ ”اگر تم مرنائی چاہتے ہو تو اب کار میرے قابو سے نکلتی ہے۔“

لیکن موڑ سائیکل سوار کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر فریدی نے جھلا کر رفتار بڑھائی لیکن موڑ سائیکل والا بھی غافل نہیں تھا۔ ساتھ ہی موڑ سائیکل کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔

اب بھی دونوں کے درمیان پہلے ہی کا سافاصلہ تھا۔

فریدی نے کٹ کی جیب سے ریوالور نکلا۔ اس کا ایک ہاتھ اشیئر گپ پر تھا۔ ریوالور کو

گود میں ڈال کر داہنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرانے لگا اور ریکھا کا پ گئی۔ اس کی سمجھ میں

فریدی کچھ نہ بولا۔ ریکھا بھی تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔  
 ”آپ کو کچھ اندازہ ہے..... وہ کون رہا ہوگا۔“  
 ”خدا جانے..... میرے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں مگر اس قسم کا کتا زندگی میں پہلی بار  
 بیری نظر سے گذر رہے۔“  
 ”آپ کی کلامی سے خون بہہ رہا ہوگا۔“ ریکھا نے مضھل آواز میں کہا۔  
 ”پرواہ نہ کرو..... میرا جسم خون بھانے کا عادی ہے۔ شائد ہی اس کا کوئی حصہ زخم کے  
 ننان سے خالی ہو۔“  
 ریکھا نے ایک طویل سائنس لی اور خاموش ہو گئی۔  
 کچھ درجہ بعد فریدی نے کہا۔ ”مجھ پر غشی طاری ہو رہی ہے۔ تم ڈرائیور کرو۔ میں پچھلی  
 نشست پر جا رہا ہوں۔ شائد! میں شائد بیہوش ہو جاؤں گا۔ تم مجھے سیدھے سول ہسپتال لے جانا  
 پوچھاں ہسپتال نہیں..... سمجھیں۔“  
 فریدی نے کار روک دی اور پچھلی نشست پر جانے کے لئے اٹھا۔ لیکن دوسرا بیٹھے  
 میں وہیں ڈھیر ہو گیا۔  
 اس کا آدھا حصہ کار کے پچھلے حصے میں تھا اور پیراگلی نشست پر۔  
 ریکھا ہشیریائی انداز میں اسے آوازیں دے رہی تھی۔

## دوسرा سفر

”وہ خطرے سے باہر نہیں ہیں۔“ سول سرجن نے اس کمرے میں آ کر کہا۔ جہاں لیڈی  
 انپکٹر ریکھا اور سارجنٹ ریشن موجود تھے۔ دوں کے چہروں پر ہوا یاں اڑنے لگیں۔  
 ”کتابیت ایگزیکٹو پر زبریاً معلوم ہوتا ہے۔“ سول سرجن نے پھر کہا۔  
 ”میں آئی جی اور ذہنی آئی جی کو فون کر چکا ہوں۔“

لے ششے کو تقریباً ایک انچ نیچے کھسکایا اور پستول سے کتے پر فائر کر دیا۔ مگر اس نے یہ بھی دیکھا  
 کہ کتابی بڑی پھرتی سے خود کو پچا گیا۔ اُس نے دوسرا فائر کیا لیکن اس بار بھی کامیابی نہیں ہوئی۔  
 تیسرا فائر پر کتے نے سڑک کے کنارے کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگادی۔ فریدی نے اسی  
 سمت دو فائر اور کئے لیکن جھاڑیوں میں جینش تک نہ ہوئی۔  
 پھر تقریباً دو یا تین منٹ تک وہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔  
 سارا جھنگ جھنگ کروں کی جھائیں جھائیں سے گونج رہا تھا۔ کبھی کبھی گیدڑوں کی آوازیں  
 بھی فضا میں ابھر تیں اور دور تک تیرتی چلی جاتیں۔  
 ”ہمیں نہیں سے واپس ہونا چاہئے۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میرا ہاتھ رخی  
 ہو گیا ہے۔ مجھ نو راجحش لینا چاہئے۔ کتابیت معمولی تھا۔“  
 وہ نیچے اترنا اور اپناریوالوں اٹھا کر پھر کار میں آبیٹھا۔ اجنب اسٹارٹ کیا اور کار شہر کی طرف  
 موڑنے لگا۔  
 ”بڑا حیرت ایگزیکٹو کا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”انہائی پھر تھا..... یقیناً بڑی محنت سے سدھایا  
 گیا ہو گا۔ مگر میں نہیں جانتا کہ وہ کس نسل سے ہے۔“  
 ”میں آپ کا ہاتھ دیکھوں۔“ ریکھا نے کہا۔  
 ”پرواہ نہ کرو..... اس کے دانت بڑیوں تک پہنچ گئے تھے۔ مگر آج تک میری نظر وہ سے  
 ایسا تیر رفتار کتا نہیں گزرا گیا وہ ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا رہا تھا۔ وہ موڑ سائیکل اسی  
 لئے سامنے آئی تھی کہ میں کار روک دوں اور کتا مجھ پر حملہ کر دے۔“  
 ”آپ کو تو اسی موڑ سائیکل والے کو گولی مارنی چاہئے تھی۔“  
 ”یہ کیسے ممکن تھا۔ میں نے اسی لئے تمہیں فائز نہیں کرنے دیا تھا کہ کہیں تھا رہا تھا  
 بہک جائے۔ اس وقت تک ہمارے پاس اسے گولی مارنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔“  
 ”پہنچنیں وہ مردود تھا کوئی۔“

”تم نے نہیں دیکھا کہ اس کے چہرے پر سیاہ نقاب تھی۔“  
 ”میں نے نہیں دیکھا تھا ورنہ آپ مجھے اس پر فائر کرنے سے بازنہ رکھ سکتے۔“

فریدی تھا موجود تھا۔ ریش اور ریکھا بھی جاچکے تھے۔ ان دونوں نے رات سینیں گزاری تھی۔ اس وقت فریدی بستر کی بجائے آرام کری پڑھا۔ مگر اُس کے چہرے سے یہ اندازہ کرنا بہت مشکل تھا کہ وہ پچھلی رات موت و حیات کی لکھش میں بتلا رہ چکا تھا۔ صرف پنی کے علاوہ جو اس کی کلائی پر چڑھی ہوئی تھی۔ حمید کو اور کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔ فریدی اُسے دیکھ کر مسکرا دیا اور حمید کے ہونٹ کیپانے لگے۔

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے کہا۔ اُس کی آواز میں بھی اضطرال نہیں تھا۔ حمید چوروں کی طرح بیٹھ گیا۔ سماں سماں یا ہوا سا۔

”تم نے پچھلی رات بہت بہک کر کہا تھا کہ تم اب مجھے انہیں شکل نہیں دکھاؤ گے۔“ فریدی بدستور مسکرا تارہا۔

حمد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظر میں فرش پر تھیں۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔ حمید نے تھوڑی دری ب بعد کہا۔ ”میں نے رات قاسم کے یہاں بسر کی تھی۔ صح کے اخبار میں خبر سے مجھے معلوم ہوا۔“

”ہاں! کتاب بہت زہریلا تھا۔ مگر شاید میری قوت دافعہ میں بھی انحطاط نہیں ہوا۔ بہر حال اب میں بالکل ٹھیک ہوں اور مجھے اُس کے کی فکر ہے۔ ایسا کتاب آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔“

”آپ گھر کب چلیں گے۔“

”ابھی اور اسی وقت..... مجھے صرف تمہارا انتظار تھا۔ لیکن تم مجھے اس طرح لے چلو گے جیسے میں نقل و حرکت سے مجبور ہوں۔“

”کوئی خاص آئینہ یا.....!“ حمید اُسے فور سے دیکھنے لگا۔

”ہاں.....!“

پھر حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ فریدی بستر پر جالیٹا اور حمید باہر نکل کر ایسپولنس گاڑی کا انتفار کرنے لگا۔ چار آدمی ایک اسٹرپ چڑلائے۔ فریدی کو بستر سے اٹھا کر اسٹرپ چڑ پڑا گیا، اس طرح وہ ایسپولنس گاڑی نکل پہنچا۔

حمید تمیر تھا کہ آخ ر فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔

”خ..... خطرے سے..... لک..... کیا مراد ہے آپ کی۔“

”لیتی..... وہ..... آپ کا ساتھ چھوڑ بھی سکتے ہیں۔“

”نہیں.....!“ ریش بے اختیار چینا اور کسی بیچ کی طرح پھوٹ پڑا۔ اُسے اپنے آفسر سے بہت محبت تھی۔ وہ جو آفسر سے زیادہ ایک بڑا بھائی تھا۔ ریکھا دونوں ہاتھوں سے اپنامز چھپا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

اچانک ایک ڈاکٹر نے کمرے میں آ کر کہا۔ ”وہ ہوش میں آگے ہیں۔“

”آہ.....!“ سول سرجن یکخت اچل پڑا۔ ”تب تو..... تب تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ اس نے کہا اور تمیزی سے دروازے میں مڑ گیا۔

ریش کی بیساختہ قسم کی سکیاں ابھی تک جاری تھیں، لیکن اُس نے کسی نہ کسی طرح برآمدے میں آ کر ریکھا کو یہ خوشخبری سنائی۔ ریکھا بھی وہاں روشنی رہی تھی۔

کچھ انہیں دونوں پر منحصر نہیں تھا مجھے کا ہر وہ آدمی جو فریدی سے حد نہیں رکھتا تھا اسے بے حد چاہتا تھا۔

تحوڑی ہی دری میں کئی آفسر وہاں پہنچ گئے۔ ان میں ڈی۔ آئی۔ جی بھی تھا۔ لیکن حمید..... اُسے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ ریکھانے کی بارگھر پر فون کیا گرد وہ قاسم کے یہاں تھا۔

دوسری صبح اُس نے یہ خبر اخبار میں پڑھی لیکن خبر بھی مکمل نہیں تھی۔ اس جملے پر خبر کا اختتام ہوا تھا کہ دو بجے رات تک کرنل فریدی خطرے سے باہر نہیں تھے۔ ایک دوسرے اخبار میں لیڈی ریکھا کا یہاں کرده واقعہ بھی موجود تھا۔ حمید پریشان ہو گیا۔ پہلے اُس نے گھر کا رخ کیا۔ پھر وہاں سے سیدھا سول ہسپتال پہنچا۔ کپاڑ ٹڑ ہی میں اُسے معلوم ہو گیا کہ فریدی کی

حالت بہتر ہے، لیکن حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اُس کے سامنے جائے۔ فریدی رات بھر موت و حیات کی لکھش میں رہا تھا اور وہ قاسم کے یہاں میٹھی نیند سویا تھا۔ اسے شرمندگی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ اُس کی نا دانتگی میں ہوا تھا۔ مگر پھر بھی وہ فریدی کے سامنے جاتے ہوئے پہنچا رہا تھا۔

مگر جانا تو تھا ہی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے پرائیوریٹ وارڈ کے اس کمرے میں قدم رکھا جاں

”تو پھر تم ہی مجھے اس کتے کے متعلق کچھ بتا دو۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“

”پھر تم نے سفید دھاریوں کے متعلق کیوں پوچھا تھا۔“

”یونہی..... عدنان..... یہاں سے جاؤ۔ میں اخبار دیکھ رہی ہوں۔“

”تم مجھے باہر نہیں نکلنے دیگی..... کیوں؟“

تو نویر دوبارہ اخبار دیکھنے لگی تھی۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”میں فریدی کوفون کرنے جا رہا ہوں۔“ عدنان بولا۔

”دفعہ ہو جاؤ..... یہاں سے۔“ تو نویر نے اخبار سے نظر پٹائے بغیر جھنجھلانے ہوئے لجئے میں کہا۔

عدنان چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر لا بیری میں سے چلا گیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلا تو نویر اخبار پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ میز کی دراز سے ایک قلم تراش چاقو نکالا اور باہر نکل کر بڑی تیزی سے اس کی طرف چلنے لگی جدھر نیلی فون کے تار کا کھما تھا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا اور چاقو سمیت نیلی فون کے تاروں پر جھک پڑی۔ ذرا ہی سی دیر میں تار کٹ گئے۔ اب وہ پھر لا بیری ہی کی طرف واپس جا رہی تھی۔ لا بیری میں پہنچ کر اُس نے کال بل کا ٹین دبایا اور دوسرے ہی لمحے میں ایک باور دی چپر اسی اندر آ گیا۔

”بادی گارڈ کو یہاں بھیج دو.....!“ اُس نے اس سے کہا اور پھر اخبار اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ مگر اس کے چہرے سے نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے ابھی کوئی غیر معمولی کام انجام دیا ہے۔

تحوڑی دیر بعد چاروں بادی گارڈ لا بیری میں داخل ہوئے۔

”بیٹھ جاؤ.....!“ تو نویر نے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا اور ان کے

بیٹھنے کے خاموش رعنی..... پھر بولی۔ ”میں عدنان کو یہاں سے ہٹانا چاہتی ہوں۔“

”مگر آپ نے فرمایا تھا۔“



عدنان نے اخبار میز پر رکھ کر ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر کمرے میں ٹھیلنے لگا۔ اس کے اندر اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اخبار اٹھا کر کوئی خاص خبر دوبارہ پڑھی اور اخبار کو توڑتا مردتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

راہداری میں ایک نوکر سے اس نے تو نویر کے متعلق پوچھا اور یہ معلوم کر کے کہ تو نویر لا بیری میں ہے وہ اسی طرف چلا گیا۔

تو نویر بھی اخبار ہی دیکھ رہی تھی۔ عدنان کی آہٹ پر چونکر اُسے استغفار میں نظر وہ سے دیکھنے لگی۔

”تم نے وہ خبر پڑھی میں..... کریل فریدی کے متعلق۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے تم نے اس رات مجھ سے پوچھا تھا کہ کتے کے سر پر سفید دھاریاں تو نہیں تھیں۔“

”ہوں..... تو پھر.....!“ تو نویر نے اُسے تیز نظر وہ سے دیکھتے ہوئے کہا اور ہونٹ بھیجنے لئے۔ ”کچھ نہیں..... کریل فریدی بڑا شاندار آدمی ہے۔ اگر وہ مر گیا تو مجھے بڑی کوشت ہوگی۔

ہم دونوں میں یونہی معمولی سی جان بیچاں ہے۔ ایک بار ہمیں ایک ساتھ شکار کھیلنے کا اتفاق ہوا تھا..... کیا کہنے ہیں اس کے نشانے کے۔ خدا کی قسم ہاتھ چوم لینے کو دل چاہتا ہے۔ میں وہ بندرا کی طرح پھر علا.....! لومڑ کی طرح پالاک اور شیر کی طرح ٹھر ہے۔“

”ہوں..... تو پھر.....!“

”میں اُسے دیکھنے جاؤں گا۔“

”تم گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکو گے..... ویسے اگر فوکروں کے ہاتھوں بے عذتی پسند ہے تو میں کچھ نہیں کہتی۔“

”میں..... تم مجھے خود کشی پر مجبور کر رہی ہو۔“ عدنان جھنجھلا گیا۔

”میری اجازت کے بغیر تم وہ بھی نہیں کر سکو گے۔“ تو نویر نے انتہائی سر دل بھے میں کہا۔

”تم مجھے نہیں روک سکو گی۔ اگر فریدی زندہ ہے تو ہم دونوں ملکوں اس کے کوتلاش کریں گے۔“

”اس سلسلے میں میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔“

”خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔“ عدنان اور فریدی ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔ عدنان پہنچی ایک کتے ہی نے حملہ کیا تھا اور اتفاق سے وہ کتا بھی اسی قسم کا تھا جس کے متعلق اخبارات میں آیا ہے۔ لہذا عدنان فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنا ہا ہے۔ فی الحال میں نے میل دون کے تارکات دیئے ہیں۔ مگر یہ طریقہ زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ثابت ہو سکتا۔“  
وہ فریدی سے رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔“ معمر آدمی نے حیرت سے کہا۔  
”ہاں.....!“

”تو کیا آپ انہیں اپنے حالات سے بالکل علیٰ اعلام رکھتی ہیں۔“  
”وٹ اب..... تمہیں اس سے کوئی بحث نہ ہونی چاہئے۔“  
”میں دنی چاہتا ہوں..... محترمہ.....!“ معمر آدمی گزگڑایا۔  
”آج رات اسے یہاں سے ہٹا دو۔“  
”جو حکم ہو۔“

”قریب آؤ..... اپنی کرسیاں قریب کھسکالا و۔“



رات اندر ہیری تھی اور کیپشن حمید سار جنت ریش کے ساتھ سعید با بر کی کوئی کے گرد منڈلا رہا تھا مگر سار جنت ریش کو ایکم نہیں معلوم تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اندر ہیرے میں سرما نے کا تصد کیا ہے۔

”یہ چکر کیا ہے بڑے بھائی۔“ ریش بڑا بڑا۔

”بد نصیبی.....!“ حمید ایک خندی سانس لے کر بولا۔ ”گدھے بھی اس وقت گھاس رہے ہوں گے لیکن ہم سرداری کھارے ہیں۔ ریش کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟“  
”ہاں..... کیوں؟“

”تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی۔ پھر تم اس مکھے میں کیوں جھک مار رہے ہو۔“

”تو تمہارے ساتھ کون سی مصیبت ہے۔ تم بھی تو آزاد ہو۔ تم کیوں یہاں جھک مار

”پوری بات سنو۔“ تنویر نے بولنے والے کو ڈاٹ دیا۔  
ایک لمحے کے لئے وہاں موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔ تنویر کی کرخت آواز دیواروں اور چھپت سے ٹکرا کر ایک قسم کی جھنکاری پیدا کرنے لگی۔ ”تم لوگوں کو صرف باتیں بنانا آتی ہیں۔ عملی حیثیت سے صفر ہو۔ تم سے ابھی تک اتنا نہ ہو سکا کہ سعید با بر کوٹھکانے لگا دیتے۔“  
”محترمہ! ہم تین بار کوشش کر چکے ہیں۔“ معمر آدمی نے کہا۔ ”لیکن شاید ابھی اس کے ستارے گردش میں نہیں آئے۔“

”بکواس مت کرو۔ تم سب غلے ہو۔ وہ تو دور کی بات ہے۔ تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ عدنان کو نگرانی میں رکھو۔ اسی عمارت میں رہ کر وہ خلاف حکم حرکتیں کر جاتا ہے اور تم آنکھیں بند کے پیشے رہتے ہو۔“

”محترمہ وہ بھی مالک ہیں۔“  
”جب میں اسکے خلاف کوئی حکم دوں تو اسے میرا بیٹا نہ سمجھو۔“ تنویر آنکھیں نکال کر بولی۔  
”اب ایسا ہی ہو گا۔“ معمر آدمی نے کہا۔ ”مگر وہ بے تھا شہزادے ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اپنے بچاؤ کے سلسلے میں ہم سے کوئی گستاخی ہو جائے..... تو....!“  
”گستاخی ہو جانے دو.....!“

”تو پھر اب اطمینان رکھئے کہ وہ آپکے حکم کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھا سکیں گے۔“  
”تنویر تھوڑی دری تک پکھ سوچی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ”میں اسے یہاں سے ہٹانا چاہتی ہوں۔ مگر نہ ہو! تم نے فریدی کے متعلق پڑھا۔“  
”جی ہاں.....!“ معمر آدمی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ ”اور ہمیں افسوس ہے کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔“  
”کیا خبر ہے۔“

”اُسے اسڑپر پر ڈال کر گاڑی میں رکھا گیا اور کیپشن حمید اسے گھر لے گیا۔“  
”جب وہ اپنے پیروں سے پہلی بھی نہیں سکتا تو اسے ہپتال سے کیوں ہٹایا گیا۔“  
”خدای جانے۔“

ن نیندیں جرام۔۔۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ حق مجھ پر عاشق ہو گئی ہو اور ایسے میں دل کہنے لگتا ہے دونوں طرف ہے آگ برادرگی ہوئی۔ یقیناً وہ بھی اپنے فراق میں اسی طرح ترپ ری ہو گی۔“

”ہا میں.....!“ حمید نے تحریر انداز میں کہا۔ ”رمیش! تم مادرزاد عاشق معلوم ہوتے ہو دراں کے باوجود بھی کرٹل ہارڈ اسٹون کی نظر میں ابھتے کے افجھے۔“

”میں لوکیوں کی دم میں تو نہیں بندھا رہتا۔“ رمیش نے طغیری لمحے میں کہا۔

”لوکیوں کے متعلق سوچنے رہنا اس سے بھی براہے فرزند.....!“

”مارو گولی.....!“ رمیش نے ہاتھ جھک کر کہا۔ ”سردی لگ رہی ہے۔ آخر ہم کب تک

اس طرح جھک مارتے پھریں گے۔“

جب تک کہ سعید بابر کے دشمن اُسے ختم نہ کر دیں۔ یہ لوگ غیر مالک سے اسی لئے آتے ہیں کہ ہم کام چور اور نکلنے ہونے پائیں۔“

”کیا اس کے کچھ دشمن بھی ہیں۔“ رمیش نے پوچھا۔

حمدید اشیات میں جواب دے کر ایک دیوار سے نکل گیا۔ رمیش سعید بابر کے ہم شکل فقیر کو دیکھ چکا تھا لیکن اُسے آن واقعات کا علم نہیں تھا، جو اس کے بعد ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ فریدی نے شروع سے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ سعید بابر کی ذات سے تعلق رکھنے والے کسی بھی واقعہ کا ذکر اخبارات میں نہ آنے پائے اور اس نے سعید بابر کو تاکید بھی کروئی تھی کہ ان واقعات کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے۔ سعید بابر نے اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن فریدی نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ بات پھیلنے پر پہلیں روپڑ آئیں کی زندگی ملنے کر دیں گے۔

”تو وہ یہاں مقیم کیوں ہے۔“ رمیش نے پوچھا۔

”پتہ نہیں! اگر وہ مرنا ہی چاہتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ حمید دیوار سے اپنی پشت الگ کرتا ہوا بولتا۔

وہ پھر ٹھیٹھے ہوئے سڑک کی طرف چل پڑے۔ سعید بابر کی کمپاؤنڈ اب تاریک ہو چکی تھی۔ برآمدہ بھی تاریک تھا۔ حمید اور رمیش سلاخوں دار چھانک کے قریب آ کر رک گئے۔ یہ

رہے ہو۔“ رمیش نے کہا۔

”میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری شادی نہ ہو جائے۔ اُس وقت کیا ہو گا۔“

”آپ کو شادی کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

”میں مار بیٹھوں گا تھیں..... تم بھی بھی کہتے ہو۔“

”میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ درجنوں لاکیاں تو تمہارے ساتھ ماری پھرتی ہیں۔“

”آہ..... بھی تو تم نہیں سمجھتے۔ اس راز سے واقف نہیں ہو۔ نہ سمجھو تو بہتر ہے۔“

”آخڑ پھر بھی۔“

”چھوڑو..... ہم اس وقت ڈیوٹی پر ہیں۔ ہمیں لوکیوں کی باتیں نہ کرنی چاہئیں۔“

”انپکٹر ریکھا کی بات کرو..... وہ تو اپنے ملکے ہی کی ہیں۔“ رمیش نے قہقہہ لگایا۔ وہ

ٹھیٹھے ہوئے عمارت کی پشت پر جانکلے۔

”ریکھا.....!“ حمید کہہ رہا تھا۔ اُس نے شاندار فریدی صاحب سے پریم اسٹارٹ کر رکھا ہے۔“

”میں بھی بھی محسوں کر رہا ہوں۔ دن میں کم از کم دس بار صاحب کے کمرے میں آتی ہیں۔“

”ہائے..... ریگ زاروں میں کہیں ہوتی ہے پانی کی نمود۔۔۔ آپ سمجھتے گی..... کرٹل ہارڈ اسٹون کو مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں سمجھتا۔ دنیا کی ڈیڑھ درجن حسین ترین عورتوں کو میں جانتا ہوں جو آج بھی کرٹل ہارڈ اسٹون کو سافٹ کوک بنانے کے چکر میں ہیں۔“

”واقعی حمید بھائی.....! سمجھ میں نہیں آتا کہ کرٹل صاحب عورتوں سے اتنا بد کتے کیوں ہیں۔“

”نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ کیا تم نے انہیں کبھی کسی عورت کے ساتھ ناچلتے نہیں دیکھا۔“

”نہیں.....!“ رمیش نے حیرت سے کہا۔

”آہ..... تم نے نہیں دیکھا۔ اُس وقت وہ حضرت پرانے کھلاڑی اور پر لے سرے کے عیاش معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت..... میرا دعویٰ ہے کہ اس شخص میں عورت کے حسن سے محظوظ ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اگر ضرورتا انہیں کسی بھیں کے ساتھ ناچلتے تب بھی وہ اتنے ہی ہشاش بٹاش نظر آئیں گے۔“

”کمال ہے..... یہاں تو یہ عالم ہے کہ اگر کبھی کسی لوکی نے مسکرا کر بات کر لی تو ہمتوں

”مگر آپ کیوں چلے آئے۔“ حمید بڑا ہے۔ ”آپ تو خود کو صاحب فراش ناہر کرنا چاہتے تھے۔“

”وہ تو میں اب بھی ہوں لیکن اجالے میں تم مجھے پہچان نہ سکو گے۔“  
”میک اپ.....!“ حمید نے کہا۔

”ہاں.... اب اس کے بغیر کام چلتا نظر نہیں آتا۔“

”تو آپ آرام نہیں کریں گے۔ آپ کی کلامی بُری طرح رُخی ہو گئی ہے۔“

”پرواہ نہ کرو.... اب یہاں سے نکلو۔ ہمیں بالی کیپ کی طرف چلتا ہے۔“

حمد جلا گیا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔ وہ سمجھا تھا کہ اب یہاں سے گھر ہی کی طرف جانا ہو گا۔  
شدید سردی کے احساس کے باوجود بھی اس کی پلکیں نیند سے جھکی آری ہیں۔ وہ مکاونٹ سے  
باہر آئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد فریدی اپنی گاڑی کے قریب پہنچ گیا۔

”تم کارڈ رائیور کرو گے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”اس وقت مجھ سے یہ کام نہ لججھے ورنہ کار سیت کی درخت ہی پر بسیرا ہو گا۔“  
”کوئاں مت کرو۔“

”نیند کا بھی عالم ہے جناب۔“

”رمیش تم ڈرائیور کرو.... کیا تمہیں بھی نیند آ رہی ہے۔“

”بھی نہیں.... میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

رمیش اور حمید انگلی نشست پر جائی شے اور فریدی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ کچھ دیر  
بعد کار سنسان سڑکوں پر چکراتی ہوئی بالی کیپ کی طرف جا رہی تھی اور حمید کھڑکی پر بازو ٹیکے  
بڑے اطمینان سے سورہا تھا۔

رمیش ہمیں جلد پہنچا ہے۔ ”فریدی نے کہا۔ ”رفار اور تیز کرو۔“

”بہت بہتر جناب۔“ رمیش نے کہا اور رفار تیز کر دی۔

اس وقت وہ اسی سڑک پر تھے جس پر چند روز قبل فریدی کو ایک جیرت انگریز تجوہ ہوا تھا۔  
فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ روپ اور کے دستے پر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی مگر آج وہ بخیرو

کوئی ایک ایسی جگہ پر واقع تھی جس کے آس پاس کوئی الکٹریک پول نہیں تھا اس لئے چاہلک  
کے قریب و جوار میں تار کی ہی رہتی تھی۔

چاہلک اندر سے بند تھا لیکن اس کی اوچھائی زیادہ نہیں تھی۔ پہلی ہی کوشش میں حیر  
دوسری طرف پہنچ گیا۔ رمیش باہر ہی رہا۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”چلے آؤ۔“

رمیش نے اس کی تقلید کی۔ اندر چاروں طرف تار کی چھپلی ہوئی تھی۔

”کراثا کی باڑھ کی اوٹ ہی میں رہتا۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔  
عمارت میں کہیں بھی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔ حمید نے اپنی ریڈیم ڈائل والی گھری کی  
طرف دیکھا۔ بارہ نجح پکے تھے۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ پوری وجہ کی طرف بڑھتے رہے۔

اچھتین دنوں سے برادر سعید بابر شکایت کرتا رہا تھا کہ چند نامعلوم آدمی عمارت میں  
داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ جاگ کر راتیں گزارتا ہے۔ آج یہاں ان دونوں کی  
موجودگی کی بھی وجہ تھی۔

وہ تقریباً ایک بجے تک مر گرداں رہے لیکن سعید بابر کے میان کی تصدیق نہ ہو گی۔

”کیوں نہاب میں ہی حملہ کر دوں۔ اس آلو کے پٹھے پر۔“ حمید نے جملائے ہوئے لمحے  
میں کہا اور رمیش ہنسنے لگا۔

”نہیں یار.....!“ حمید پھر بولا۔ ”کچھ نہ کرنا ہی چاہئے۔ مجھے یہ آدمی بھی برا اپر اسرار  
معلوم ہوتا ہے۔ سنوا کیوں نہ ہم اندر چلیں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی کھڑکی آزمائی چاہئے۔“

”اگر تم نے ایسی کوئی محافت کی تو بھگتو گے۔“ حمید نے اپنے پیچھے ایک تیز قسم کی سرگوشی  
سی اور بیساختہ اچھل پڑا۔ رمیش بھی بوکھلا گیا۔

”چلو اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔“ وہ آواز پھر آئی۔  
لیکن اس بار حمید نے پہچان لیا۔ یہ فریدی کی آواز تھی اور اب وہ کراثا باڑھ پھلانگ کران کے  
قریب پہنچ چکا تھا۔

”عمارت خالی ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”سعید بابر اندر موجود نہیں ہے۔“

ہاتھیڑی تھی۔“

”زغالی کہاں ہے۔“

”بائی کمپ کی ایک بستی میں۔ میں تمہیں وہیں لے چل رہا ہوں۔ خطرناک آدمیوں کی بستی ہے۔ ہر وہ آدمی جو رات میں نظر آئے اُس کے سامنے زغالی کا نام ضرور لیتا ورنہ جسم پر کپڑے بھی نظر نہ آئیں گے۔“

”یہ آپ کہہ رہے ہیں؟“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”ہاں میں کہہ رہا ہوں..... یہ موقع ہی ایسا ہے کہ میں باٹ نہیں بڑھانا چاہتا..... سمجھے..... زغالی تمہیں یقیناً پہچان لے گا۔ میرے متعلق تم کہہ سکتے ہو کہ میں علم الاجسام کا ایک پروفسر ہوں اور میرے پاس کسی حیرت انگیز جانور کے پیروں کے نشانات کے فوٹو ہیں اور تم مجھے اس کے پاس اسی لئے لائے ہو کر وہ مجھے اپنی معلومات سے فائدہ پہنچائے۔“

## اس کی درندگی

چاروں طرف پکے کچے مکانات کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ بستی میں گھنٹا دشوار ہو گیا تھا۔ چاروں طرف کتوں نے آسان سر پر اٹھایا تھا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ساری بستی جاگ پڑی ہو۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔ اچانک رائی گلی میں چار آدمی ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے ان پر تارچ کی روشنی ڈالی۔

”ہم زغالی کے پاس جا رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”اوہ جائیے..... جائیے.....!“ تارچ والا ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ ”کیا آپ انہیں سے ہی میں جائیں گے۔ آپ کے پاس تارچ نہیں ہے۔“

”نہیں..... ہم سے غلطی ہوئی۔ لانا بھول گئے۔“ حمید بولا۔

”چلتے..... میں آپ کو راستہ دکھاتا ہوں۔!“ تارچ والے نے کہا۔

وہ لوگ پھر چل پڑے۔ ایک آدمی تارچ کی روشنی میں انہیں نہ صرف راستہ دکھارتا تھا بلکہ ان کتوں کو ڈانٹتا بھی جا رہا تھا جو ادھر ادھر کی گلیوں سے نکل کر بھوکنے لگتے تھے۔

خوبی اس سڑک سے گذر گیا۔

جب کار بالی کمپ والی سڑک پر مڑ ری تھی۔ فریدی نے حمید کو جھوٹ کر اٹھادیا۔

”تم جھوٹے پر نہیں ہو فرزند.....!“ اس نے طنزیہ لجھے میں کہا۔

حمدید کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ویسے اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ کار سے چھلانگ لگادے۔ آنکھوں میں جلن سی محسوں ہونے لگی تھی اور کھوپڑی ہوا میں سطح معلوم ہو رہی تھی۔

”رمیش کار روک دو۔“ فریدی نے کہا اور رمیش نے فرما کر کے کار کو سڑک کی کنارے لگادیا۔ فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لجھے میں بولا۔ ”یہ کام بہت اہم ہے۔ ورنہ میں ایسی صورت میں بستر مرگ سے اٹھنے کی زحمت کیوں گوارا کرنا۔“

حمدید خاموش ہی رہا۔ بہر حال وہ اب ذہن کو نیند کے بیچ و خم سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور خود اسے بھی احساس ہو چلا تھا کہ اس وقت جھلابتہ کا مظاہرہ قطعی سے بکار ہے گا۔

”اس کام کا سارا دارو مدارم پر ہے۔“ فریدی بولا۔

”ہاں..... اچھا..... بھر.....!“

”ہاں..... اچھا..... پھر کیا؟ کیا ابھی تک نیند سوار ہے۔“

”نہیں..... میں بالکل نیک ہوں۔“

”تمہیں وہ نیگرو شکاری زغالی یاد ہے نا جو کبھی نواب وجہت مرزا کے بہاں میر شکاری کی حیثیت سے ملازم تھا۔“

”ہاں مجھے یاد ہے۔“

”اس وقت ہم اُسی کے پاس جا رہے ہیں اور ہمیں اُس سے ان نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں جو سعید بابر کی کپڑا ٹھیں میں ملے تھے۔“

”وہ کیا تائے گا۔“

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار اس نے ایسے ہی حیرت انگیز نشانات کا تذکرہ کیا تھا اور بات غالباً افریقہ نیرو بی ہی کی تھی..... البتہ وہ واقعہ یاد نہیں آ رہا ہے جس کے سلسلے میں اس نے

پھر وہ ایک پختہ عمارت کے سامنے رک گئے جو سرخ اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔ عمارت بہت پرانی تھی اور اس کی اینٹوں میں لوٹنے لگا تھا۔  
ان کا راہبڑہاں پہنچ کر رخصت ہو گیا۔

حید نے صدر دروازے کی زنجیر کٹکھٹائی اور اس وقت تک کھلھٹا تارہا جب تک کہ اندر سے ایک غصیل آواز نہیں آئی۔

”کون ہے.....!“ کسی نے دھاڑ کر پوچھا۔

”ایک ضرورت مند..... دروازہ کھلو.....!“ حید نے کہا۔

”کیا صحیح نہ ہوتی۔“ کسی نے دروازے کے قریب آ کر کہا۔ ”تم کون ہو؟“

”میں کیپٹن حید ہوں..... مرکزی سی آئی ڈی کا ایک آفسر۔“

دوسری طرف سے ایک ہلکی سی غراہٹ سنائی دی اور ساتھ ہی دروازہ چڑھاہٹ کے ساتھ کھل گیا۔

اندر زرد رنگ کی ہلکی سی روشنی تھی اور ان کے سامنے ایک چوڑا چکلا نگر مہر نیگر و کھڑا تھا۔ اُس کی گردن شانوں میں دھنی ہوئی تھی۔ وہ بڑے غور سے حید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

”بے شک آپ وہی ہیں..... مگر مجھے حیرت ہے اتنی رات گئے۔“

وہ ان کے آگے چلنے لگا۔ اس کی چال عجیب تھی۔ اس طرح اچھل کر چل رہا تھا جیسے ٹانگیں چھوٹی بڑی ہوں۔

وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لاایا جہاں بید کی تمن چار میلی سی کریساں پڑی ہوئی تھیں۔ دیوار سے ایک رائق لٹکی نظر آرہی تھی۔ یہاں مٹی کے تل کا ایک لیپ تھا جسے زغالی نے آتے ہی روشن کر دیا تھا۔

”آپ لوگ بیٹھئے.....!“ اس نے قدرے بھک کر کہا۔

یہ تینوں بیٹھے گئے۔ ریش حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اُس نیگرو کی طرف بھی دیکھتا تھاں کچھ اس انداز میں کہ فوراً ہی دوسری طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اُس سے خوفزدہ نہ ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔

”ہاں..... اب بتائیے..... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”یہ پروفیسر دیال ہیں۔ علم الاجسام کے ماہر۔“ حید نے فریدی کی طرف اشارہ کیا جو میک اپ میں تھا۔

”علم الاجسام کیا۔“ زغالی نے سوال کیا۔

”آپ ہمیں بتائیے جناب۔“ حید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بات یہ ہے کہ میں پہلے کرٹل فریدی کے پاس گیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔ میرے پاس دراصل چند حیرت انگیز نشانات کے فوٹو ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی جانور کے پیروں کے نشانات ہیں مگر اس قسم کا کوئی جانور میرے علم میں نہیں ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ کرٹل فریدی بھی الامدود معلومات رکھتے ہیں اسی لئے میں اس سلسلے میں ان کے پاس گیا تھا گر انہوں نے بھی لاعلی ظاہر کی۔ پھر آپ کا پتہ بتایا کہ آپ ضرور باضور ان پر روشنی ڈال سکیں گے۔“

”مگر اس کے لئے آپ دن کو بھی آسکتے تھے۔“ زغالی نے حید کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تو یہ کچھ بات دراصل یہ ہے۔“ فریدی جلدی سے بولا۔ ”یہ نشانات کی دنوں سے یونیورسٹی میں زیر بحث ہیں۔ ہم میں سے کئی پروفیسر ان کے متعلق تحقیقات کر رہے ہیں۔ کل صحیح ہی اپنی رپورٹیں پیش کرنی ہوں گی۔ بس اسلئے دوڑا آیا کہ شاید آپ سے کچھ مدد جائے۔“

”زغالی تھوڑی دریتک اسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔“ لایے۔ ..... وہ نشانات کہاں ہیں؟“

فریدی نے جیب سے ایک کارڈ کاٹل کر اسکی طرف بڑھا دیا جس پر دو نشانات کا عکس تھا۔

”یہ نشانات کہاں ملے تھے۔“ زغالی نے آہستہ سے پوچھا۔

”لڑکاں جنگل میں۔“ فریدی نے جواب دیا۔

زغالی خاموشی سے نشانات کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”نہیں میں نے

اپنی زندگی میں کبھی ایسے نشانات نہیں دیکھے۔ اگر اس قسم کا کوئی جانور لڑکاں جنگل میں موجود ہے تو اس کا شکار بڑا دلچسپ رہے گا۔“

پھر حید کی طرف دیکھ کر اس نے کہا۔ ”کرٹل صاحب تو یقیناً اس جانور کی تلاش میں ہوں گے۔“

"میں نے آج ہی اُن سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔  
زغالی نے سر جھکایا۔ اس کی پیشانی پر غلتینیں تھیں۔ کمرے میں مگر اسکوت مسلط ہو گیا۔  
لیپ کی مدھم روشنی میں زغالی کا چہرہ برا بھیاں لگ رہا تھا۔

اچانک حمید بولا۔ "مگر کریل صاحب نے تو کہا تھا کہ تم ان نشانات کے متعلق کچھ بتائیں گے۔"  
"یہ کس بناء پر کہا تھا، انہوں نے۔" زغالی نے سر اٹھا کر پوچھا۔ لیکن اب وہ اُن میں  
سے کسی کے بھی پھر سے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں چہرے کی جھیڑیاتی ہوئی  
کمال میں ایسی ہی لگت رعنی تھیں جیسے وہ کسی سالخور زدہ مگر خونخوار گینڈے کی آنکھیں ہوں۔  
"تم نے شاید بھی اُن سے اس قسم کا تذکرہ کیا تھا۔ ایسے نشانات غالباً افریقہ میں کہیں  
تمہاری نظر وہ سے گذرے تھے۔"

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اس قسم کی گفتگو کی ہو۔ ویسے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کریل  
غلط کرتے ہیں۔ اب دیکھنے نامں کتابوڑھا ہوں اسی لئے محلہ بھی ہو گیا ہوں۔ آپ سمجھتے ہیں نا۔"  
"تو پھر..... گویا..... مجھے یہاں بھی ناکامی ہوئی۔" فریدی بڑوڑایا۔

زغالی پچھہ نہ بولا۔ بدستور سر جھکائے بھیڑاہا۔  
دفعتاً فریدی اٹھ گیا۔ اچھا تو میں نے تا حق آپ کو تکلیف دی۔  
"کوئی بات نہیں ہے جناب۔ میں کریل صاحب اور اُن کے دوستوں کا خادم ہوں۔"  
حید اور رسیش بھی اٹھ گئے۔ صدر دروازے تک وہ خاموشی سے آئے پھر زغالی نے حید  
سے مصافیہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہر خدمت کے لئے مجھے ہر وقت یاد رکھئے۔"  
اُن کے باہر نکلتے ہی دروازہ آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ وہ پل پڑے۔ فریدی ہوتھوں ہی  
ہوتھوں میں کچھ بڑا رہا تھا۔

اُنگلی کے موڑ پر انہیں ترک جانا پڑا کیونکہ اُنگلی اور دوسرا طرف سے چار آدمیوں کا  
ایک جلوں اسی گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ چاروں ایک لائن میں تھے اور انہوں نے ایک بہت لمبا  
بندل اپنے کانڈھوں پر سنپھال رکھا تھا۔  
وہ اُن کے قریب ہی سے گذر گئے۔ فریدی رُک گیا تھا۔ حید نے آنگے بڑھنا چاہا لیکن

اس نے اس کا ہاتھ دبادیا۔  
وہ چاروں آدمی زغالی کے مکان کے سامنے رک گئے تھے اور اب دروازے کی زنجیر ہلا  
رہے تھے۔

فریدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر گلی میں مڑ گیا۔  
وہ سڑک پر نکل آئے۔ خیک گلی کے سامنے ہی انہیں کا بُر نظر آئی۔ فریدی رک گیا۔ کار  
خالی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر سکارا لائسٹر جلا کر روشنی میں ڈلیش یورڈ پر نظر ڈالنے کا۔  
اپاک اس نے مژکر حمید سے کہا۔ "حید اُس کار کے نمبر تو نوٹ کرو۔ غالباً انہیں لوگوں کی  
کار ہے جو ابھی گلی میں ملے تھے۔ اور تم دونوں واپس جاؤ۔"  
وہ کیا ہمیں کار پھوڑوں یہ پڑے گی۔" حید نے پوچھا۔

"ونھیں کار لے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور بڑی تحریری سے اسی گلی میں چلا گیا۔  
"چلوری جان....." حید ریمش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایک طویل ساں لیٹا ہوا بولتا۔  
"نمبر تو نوٹ کرو۔"

"ہاں..... نمبر.....!" حید نے کہا اور دیا سلانی جلا کر کار کے نمبر دیکھے اور انہیں ذہن  
نشین کرتا ہوا سیدھا ہو گیا۔  
"اوہ..... وہ پلیں....." ذرا سی دلیر میں میں بھی مرغون کی طرح باعث دینے لگوں گا۔ صبح تو ہو ہی  
رہی ہے۔"  
وہ اپنی کار میں آبیٹھے۔ حید نے اس بار بھی ریمش ہی سے ذرا سی کرنے کی استدعا کی۔  
اُن نے بہت دریتے پاپ نہیں پیا تھا۔

سردی بے تحاشہ بڑھ گئی تھی۔ پاپ کے دو تین گھنٹے کش لینے کے بعد اس نے کچھ  
نکون چھوٹ کیا۔

"پچھیں وہ چاروں کیا اٹھائے ہوئے تھے۔" ریمش نے کہا۔  
"یار جنم میں ڈالو۔" ہمیں اس سے کیا کہ لقا کوتور دم کیوں اٹھائے رہتا ہے۔ مگر تم کیا  
کرو۔ اس محکمے کی ملازمت ہی ایسی ہے۔ چھوٹیں گھنٹے سراغ رسماں بننے رہے۔"

”نہیں حیدر بھائی..... وہ بیڑل عجیب تھا۔ اتنا لباڑل آخراں میں تھا کیا۔“

”آں کریم....!“

رمیش خاموش ہو گیا..... کار سڑک پر دوڑتی رہی۔



صح کے فوجے تھے۔ دھوپ اچھی طرح پھیل چکی تھی۔ تویر اپنی لاہریری میں بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی۔ وہ صح کی چائے لاہریری ہی میں پیتی تھی۔ یہ اس کا معمول تھا۔ چائے کے دوران میں اخبار دیکھتی رہتی۔ کھانا بھی تھا ہی کھاتی۔ کم از کم اس کے بیٹے عدنان کو تو یاد نہیں تھا کہ بھی وہ دونوں کھانے کی میز پر ساتھ بیٹھے ہوں۔ اس کی کوئی میں آنے دن دعویٰ بھی ہوتی رہتی تھیں لیکن وہ کبھی مہماں کے ساتھ نہ بیٹھتی۔ میز بانی کے فرائض عدنان کو انجام دینے پڑتے۔ وہ تو اپنی ماں کو شم دیوانی ہی سمجھتا تھا۔

توپر اخبار ایک طرف میز پر چینک کر کھڑی ہو گئی۔ وہ باہر ہی جا رہی تھی کہ ایک ملازم نے آکر اس کو فون کال کی اطلاع دی۔

تویر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کمرے میں آئی جہاں فون تھا۔ اس نے لاپرواں سے رسیور اٹھایا اور غھر میں آواز میں ”بیلو“ کہا۔

ڈرامی سی دیر میں اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ دوسرا طرف سے بولنے والا کوئی ایسی ہی بات کہہ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا ”کچھ اندازہ ہے تمہیں کیہے حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔“

پھر وہ دوسرا طرف سے بولنے والے کا جواب سنتی رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا صحت مند چہرہ کی پرانے مریض کا چہرہ معلوم ہونے لگا تھا۔

”ہوں..... اچھا.....!“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”تم بالکل پرواہ نہ کرو۔ میں دیکھوں گی۔ ویسے یہ میرا مشورہ ہے کہ تم اب وہاں سے ہٹ جاؤ۔ کیوں کیا خیال ہے۔“

جواب میں پھر کچھ کہا گیا اور تویر سر ہلا کر بولی۔ ”جہاں بھی جاؤ مجھے اپنی جائے قیام سے

باغر رکھنا..... اچھا..... ہاں دیکھو..... مجھے تم پر ہمیشہ سے اعتماد رہا ہے۔ تم مر جاؤ گے لیکن کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہو گے۔ اچھا.....!“

اس نے رسیور کھ دیا۔ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر پرورنی برآمدے میں آ کر اس نے سارے ملاز میں کو اکھا کیا۔ خی دفتر کی ٹکڑے لڑکوں کو بھی وہیں ہواں۔

”تم سب.....!“ وہ انہیں مخاطب کر کے بولی۔ ”میں منٹ کے اندر اندر کوئی خالی کر دو۔“ یعنی آج چبے بجے شام تک کیلئے تم سکھوں کو چھٹی ہے۔ میں ہیڈ آفس فون کر رہی ہوں۔ وہاں سے آج کیلئے تمہیں تفریق کا اڈس ملے گا۔ میں منٹ کے اندر اندر یہاں سے ٹپے جاؤ۔“ پھر وہ انہیں وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی۔ ملاز میں کی اس بھیڑ میں اس کے چاروں بادی گارڈ شال نہیں تھے۔

میں منٹ کے اندر ہی اندر کوئی میں الوبونے لگی۔ نوکروں کو اس کے رویہ پر ذرہ براہر بھی جیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس قسم کی انہوں باتوں کے عادی ہو چکے تھے ان کا بھی بھی خیال تھا کہ تویر ایک نیم دیوانی عورت ہے۔

کپڑا اونٹ کا چاٹک تویر نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا۔ چاروں بادی گارڈ بھی تھیں تھے۔ ان کی جگہ نہیں تھی کہ وہ تویر کے کسی کام میں ڈھلنے لگتے۔ خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ آخر تویر نے تھوڑی دیر بعد ان چاروں کو طلب کیا۔

”تم کل اسے لے کر وہاں کس وقت پہنچے تھے۔“

”شاید تین بجے تھے۔“ م عمر آدمی نے جواب دیا۔

”کیا اسے ہوش آگیا تھا۔“

”میں نہیں..... وہ زغالی کے مکان پر پہنچ کر بھی بیویوں میں رہے تھے۔“

”تمہاری موجودگی میں اسے ہوش آگیا تھا۔“

”نہیں محترم..... ہم زغالی کو سب کچھ سمجھا کر واپس آگئے تھے۔“

”ہوں.....!“ وہ انہیں غور سے دیکھتی ہوئی سرد لمحے میں بولی۔ ”مگر اب عدنان وہاں نہیں ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتے.....!“ معمراً دی نے بوكھلائے ہوئے لجھ میں کہا۔

”سمجھنے کی کوشش کرو۔“ توریر آہستہ سے بولی۔ ”تمہارے وہاں پہنچنے سے تھوڑی عی دری قل کیپٹن حمید وہاں دو آدمیوں کے ساتھ پہنچا تھا۔“

”وہ وہاں کس لئے گیا تھا۔“ معمراً دی نے تھیرانہ لجھ میں پوچھا۔

”پتہ نہیں.....!“ توریر نے لاپرواں سے شانوں کو جتنیش دے کر کہا۔ ”بہر حال چار اور پانچ کے درمیان عدالت غائب ہو گیا جس کرے میں اسے رکھا گیا تھا اس کا قتل ٹوٹا ہوا ملا اور صدر دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زغالی اُسے کمرے میں بند کر کے سو گیا تھا۔ اب تم بتاؤ کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔“

”کیپٹن حمید وہاں کیوں گیا تھا۔“ معمراً دی بڑھ رہیا۔

”تو تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت انہیں لوگوں کی ہے۔“

”میں ہاں..... پھر اسکی صورت میں بھی کہا جاسکتا ہے۔ اسکے علاوہ اور کیا سمجھیں گے۔“

”میں نے اُسے وہاں کیوں بھجوایا تھا۔“

”تاکہ وہ فریڈی تک نہ پہنچ سکیں۔“

”پھر.....!“ توریر اسے گھورنے لگی۔

”محترم آپ یقین کیجئے۔“ معمراً دی بھراں ہوئی آواز میں بولا۔ ”ہم نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا۔ ہمیں نہیں معلوم کر آؤ گوں کو کیسے خبر ہو گئی۔“

”توریر کچھ نہیں بولی۔ وہ تھوڑی دری تک کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ ”اب ایک دوسری ایکم ہے لیکن تم زیادہ محاط رہو گے۔“

”فرمائیے محترم.....! ہم شاید اسی بار آپ کا کام صحیح طور پر انجام دے سکیں۔ ویسے آج کل شاید ہمارے ستارے ہی گردش میں ہیں جس کام میں ہاتھ لگاتے ہیں بگڑ جاتا ہے۔“

”پرواہ مت کرو..... اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔“ توریر مسکرا کر بولی اور وہ چاروں بیساخنا چوک پڑے۔ انہوں نے اپنے ہوش میں پہلی بار توریر کو مسکراتے دیکھا تھا۔

”میں فی الحال تمہیں اپنے ایک راز میں شریک کرنا چاہتی ہوں۔ مگر اس کی کیا صفات

ہے کہ وہ راز ہمیشہ تم چاروں ہی تک محدود رہے گا۔“

”ہماری وفاداری ہی شہر نہ کیجئے۔ ہم نے ہر موقع پر آپ کیلئے جان کی بازی لگائی ہے۔“

ضمانت میں ہم صرف اپنی وفاداری ہی پیش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ہماری سب سے بڑی قسم ہے۔“

”اچھا تو آؤ..... میں تمہیں عمارت کے اس حصے میں لے چلوں گی جہاں آج تک

میرے علاوہ اور کوئی نہیں جا سکا۔“

”ہم اسے اپنی سرفرازی سمجھیں گے۔“ معمراً دی نے قدرے جھک کر کہا۔

”تم بھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے۔“

”بھی نہیں محترم..... آپ ہم پر اعتماد کیجئے۔“

”اچھا تو آؤ میرے ساتھ۔“

وہ اس راہداری میں چل رہے تھے جس کے سرے پر وہ دروازہ تھا جس کی دوسری طرف

کا حال توریر کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا۔

توریر نے دروازے کا قفل کھول کر دونوں پٹ کھول دیئے۔ کرہ تار یک تھا۔

”جلو.....!“ توریر ایک طرف ٹھٹی ہوئی بولی۔ معمراً دی سب کے آگے تھا۔ وہ کسی

پہنچاہٹ کے بغیر اندر چلا گیا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تلقید کی۔ توریر کے انداز سے

ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ اُن چاروں کے بعد کمرے میں چلی جائے گی۔ مگر اس کا رو یہ ظاہر

تو قع تھا۔ اس نے دوسرے ہی لمحے میں دروازے کے پٹ کھنچ کر باہر سے بند کر لئے۔

”محترم.....!“ اندر سے آواز آئی۔ مگر توریر قفل چڑھا چکی تھی۔

پھر اس نے چیخ کر کہا۔ ”مُدُونَگا تیرے شکار۔ تیری بہت پرانی خواہش پوری ہو گئی۔ آدمی

کا گوشت۔“

”محترم..... محترم.....!“ چاروں یک وقت چیخے اور پھر اچاک ان کے طبق سے عجیب

قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔

”بچاؤ..... بچاؤ.....“ کے شور کے ساتھ ہی ریلوے انجن کی سیٹیاں بھی گونج رہی تھیں۔

”محترم..... توریر.....!“

”تویر..... حرامزادی ..... کتیا۔“

”او تویر..... سو رکی پچی۔“

”دلیل کینی..... دروازہ کھولو۔“

باہر تویر کے ہوتوں پر ایک بفاک سی مسکراہٹ تھی اور آنکھیں کسی بھوکے سانپ کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔



فریدی صبح ہی سے بہت زیادہ متفکر تھا۔ آج صبح اس کے چار بہترین کتے پر اسرار طور پر مردہ پائے گئے تھے۔ چاروں رکھوالی کرنے والے اسپیشن تھے۔ علامات سے فریدی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ موت زہر سے واقع ہوئی تھی اور یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے حیرت انگیز کہا جاسکتا۔ کوئی بھی باہر سے گوشت کے چند زہریلے ٹکڑے کے کپاٹوں میں پھینک کر ان کی جانیں لے سکتا تھا۔

دو ٹکڑے ملے بھی تھے اور فریدی نے انہیں کیمیاوی تجزیے کے لئے بھجوادیا تھا ویسے حید کا بیان تھا کہ سائز سے چار بیکے جب اس کی واپسی ہوئی تھی کہے زندہ تھے۔

فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

”حید کو کچھ دو۔“ فریدی نے کہا۔ ملازم چلا گیا۔ حوزی دیر بعد حید دروازے میں نظر آیا۔

”تم نے کیا کیا؟“ فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”معاملہ بالکل گول ہے۔ کوتوالی سے معلوم ہوا کہ فقیر کی لاش سول ہستال روانہ کردی گئی تھی اور سول ہستال والے کہتے ہیں کہ وہ طباء کی مشق کے لئے میڈیکل کالج بھج دی گئی تھی۔“

”میڈیکل کالج والے کیا کہتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میڈیکل کالج والے کہتے ہیں کہ اس تاریخ کو تین لاوارث لاشیں انہیں موصول ہوئی تھیں اور اب یہ بتانا مشکل ہے کہ کس کے ٹکڑے کہاں فن کئے گئے تھے۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سول ہستال کا رجسٹر بتاتا ہے کہ اس تاریخ کو وہاں سے چار لاشیں میڈیکل

بھیجی گئی تھیں مگر میڈیکل کالج کے رجسٹر میں صرف تین لاشوں کی وصولیابی درج ہے۔“

”اوہ.....“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”مگر اب آپ اُس لاش کے چکر میں کیوں پڑ گئے ہیں۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سعید بابر کے ایک بمشکل کی لاش صدر میں پائی گئی تھی۔“

”یہ کھلی ہوئی حقیقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔“

”پھر.....!“ حید نے اُسے جواب طلب نظرؤں سے دیکھا۔

”کچھ نہیں..... میں فی الحال کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ ویسے یہ ضروری نہیں کہ وہ آدمی سعید بابر کا بھائی بھی رہا ہو۔“

”اگر رہا بھی تو اب کیا ہو سکتا ہے۔“ حید چھنجلا گیا۔

”اس مسئلے کو بیٹھن چھوڑ دو.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”فی الحال میں زغالی میں بہت زیادہ دچپی لے رہا ہوں۔ تم نے پچھلی رات کیا محسوس کیا تھا۔“

”بھی کہ وہ ان نشانات کے متعلق کچھ جانتا ہے لیکن بتانا نہیں چاہتا۔“

”ٹھیک ہے..... لڑکاں جنگل کے نام پر اُسے کتنی حیرت ہوئی تھی..... یاد ہے۔“

”بھی ہاں..... مجھے یاد ہے۔ لڑکاں جنگل کا نام من کرو۔“ حوزی دیر تک کچھ سوچتا تھا۔

”اچھا خیر..... چھوڑو..... مجھے اطلاع می ہے کہ زغالی آج ہی صبح کو بالی کیپ والی بستی سے بہت گیا ہے۔ اس وقت وہ راجن پورے کی شاپور بلڈنگ کے سانوں فلیٹ میں ہے۔

میری بلیک فورس کے کچھ آدمی تو دیکھے بھال کر رہے ہیں لیکن تم بھی خیال رکھنا اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ بالی کمپ سے کیوں ہٹا ہے۔“

## پُر اسرار سایہ

حید خاموشی سے سنا رہا۔ پھر فریدی بھی خاموش ہو گیا۔

”ایک بات مجھے سمجھائیے۔“ حید نے حوزی دیر بعد کہا۔ ”بلسلی براؤن آپ کی موجودگی ہی میں ہائی سرکل نائنٹ کلب سے غائب ہو گئی تھی۔ لیکن آپ نے اُسکی ذرہ برادر بھی پر وہ نہیں کی۔“

”پھر تمہارا اور مجردار اب کا عشق.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔  
 ”اس کی تو میں ہڈیاں توڑے بغیر نہیں رہوں گا۔“  
 ”کیا تمہیں اب بھی اُس کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔“  
 ”ٹرینگ کو انگلی سے کھینچنے وقت زیادہ قوت نہیں صرف ہوتی۔“ حمید نے لاپرواٹی سے کہا۔  
 ”اور پھانسی کا پھندا گلے میں پڑ جانے کے بعد تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا۔“  
 فریدی نے کہا۔  
 ”پھانسی.....!“ حمید نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”شاید پھانسی کا خوف بھی مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے۔“  
 ”نہیں! تم فی الحال ایسا نہیں کر سکتے۔ میرا حکیل بگڑ جائے گا۔“  
 ”تو کیا وہ بھی اس کیس میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔“ حمید نے پوچھا۔  
 ”بہت زیادہ حمید صاحب۔“  
 ”آہا..... تب تو.....!“  
 ”تمہیں ٹھہرو..... یہ میرا شہر ہے۔ فی الحال ہم اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کر سکتے۔“

”مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی آپ کا شہر غلط لکھا۔“  
 ”یہ اور بات ہے، لیکن مکمل شہادت فراہم کئے بغیر میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتا۔“  
 حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے ٹوڑی دیر بعد کہا۔  
 ”ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہیں مجردار اب کی ہڈیاں توڑنے کا موقع ضرور نصیب ہو گا۔  
 فی الحال تم زغالی پر نظر رکھو۔“

”آخر آپ اُس بیچارے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”وہ تو انتہائی برخوردار قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”تم اُسے نہیں جانتے۔ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔ بہت عرصہ سے ہمارے یہاں مقیم ہے اس لئے اب اُس میں تہذیب کے بھی کچھ آثار پائے جانے لگے ہیں ورنہ پہلے بھی وہ

”غیر ضروری چیزوں کی پرواہ مجھے کبھی نہیں ہوتی۔“  
 ”حالانکہ آپ پہلے ہی سے اسکی نوہ میں رہے تھے کہ حمید اسے کب اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔“  
 ”ہاں! ہاں..... تو کیا ہوا۔“  
 ”خط استوا خطر سلطان میں گھس گیا۔“ حمید جھلاہٹ میں ناچتا ہوا بولا۔ ”میں پاگل ہو جاؤ نگا۔“  
 ”اللہ کی مرضی.....!“ فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مغموم لمحہ میں بولا۔ ”مگر اس صورت میں بھی تم میری گمراہی میں رہو گے۔ پاگل خانوں میں آج کل ہر یہ نظمی رہتی ہے۔“  
 ”قبر میں بھی ہم دونوں پٹ کر ہی سوئیں گے اور آپ وہاں بھی فاؤں فاؤں چالائیں گے..... مجھے یقین ہے۔“  
 ”خبراب کام کی باتیں کرو.....!“  
 ”میں کبھی بیکار باتیں نہیں کرتا۔“  
 ”کل رات تم نے اس کار کا نمبر نوٹ کیا تھا۔“  
 ”جی ہاں کیا تھا.....!“  
 ”مجھے دو۔“  
 حمید نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔ اُس سے وہ ورق بچاڑا جس پر کار کے نمبر تحریر تھے اور اسے فریدی کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔ ”آپ وہاں کیوں رکے تھے۔“  
 ”اب تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہوئی چاہئے کیونکہ میں وہاں سے صحیح وسلامت واپس آگیا ہوں۔“  
 ”کوئی بات نہیں ہے۔ میں زغالی ہی سے پوچھ لوں گا۔ مگر ایک بات تو صرف آپ اسے بتائیں گے۔“  
 ”پوچھو.....!“

”اس کیس کے سر پر ہر کا بھی کہیں پڑے ہے۔ بات سعید بابر کے بھائی سے شروع ہوئی تھی۔ سعید بابر پر حملہ..... اُس کے کپاٹنڈ میں عجیب و غریب نشانات کا پایا جانا۔ لسلی براؤن کا کیس آپ پر ایک کتے کا حملہ۔ مگر اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا تعاقب بھی اسی کیس سے ہے پھر لسلی براؤن نقلي کا غائب ہو جاتا۔“

”مگر.....!“ جکد لیش نے کہا۔ ”تو نیر کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ انہیں ایک پائی بھی نہ دے گی خواہ اسے اپنے بیٹے ہی سے کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔ بڑی شاندار عورت ہے جناب..... ایس۔ پی صاحب اُس سے .....!“  
”ہیلو....!

”جی ہاں....!“ جکد لیش ہستا ہوا بولا۔ ”میں ادھر ادھر دیکھنے کا تھا کہ کہیں کوئی سن تو نہیں رہا ہے۔ ایس۔ پی صاحب اُس سے گفتگو کرتے وقت ہکلار ہے تھے۔ بڑی شاندار عورت ہے۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان ہو گی۔ مگر صحت بڑی شاندار ہے۔ بڑا شاندار جسم ہے۔“  
”سب کچھ شاندار .....!“ فریدی نے نہ اسامنہ بنایا کہ کہا۔  
”اوہ..... کیا آپ اُس سے کبھی نہیں ملے۔“

”نہیں.... صرف نام منتار ہا ہوں۔“

”ضرور ملنے جناب..... آپ اُسے بے حد پسند کریں گے۔“  
”ہاں..... پسند ہی کرنے کے لئے میں اس سے ضرور طلوں گا۔ تم مطمئن رہو۔“  
”میں کیا بتاؤں..... میں تو اُس سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کر سکا۔“ جکد لیش بولا۔ لیکن فریدی نے نہ اسامنہ بنایا کہ سلسلہ مقطع کر دیا۔

اب وہ پھر کمرے میں ٹھیل رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ ایک بار اُس نے پھر رسیور اخھایا اور اپنے ڈی۔ آئی۔ جی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ڈی۔ آئی۔ جی گھر ہی پر موجود تھا۔ فریدی نے اُس سے تو نیر کی روپورٹ کے متعلق بتا کر استدعا کی کہ وہ تو نیر والا کیس اپنے ٹھکے میں ٹرانسفر کر لے۔

”بھی یہ کیسے ممکن ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

”یہ بہت ضروری ہے جناب۔ برآ راست میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔“

”کیوں.... میں نہیں سمجھا۔“

”مجھ پر ایک زہریلے کتے نے حملہ کیا تھا۔ بعض حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں یہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ شخص اتفاق تھا۔“

ایک لکھنے کتے کی طرح لوگوں پر جھپٹ پڑتا تھا۔ تہذیب نے اُسے مکاری بھی سکھا دی ہے۔ اچھا بس اب جاؤ۔ اس کی نگرانی بہت ضروری ہے۔ تم اگر بھول چوک بھی گئے تو پرواہ نہ کرنا۔ بہر حال مجرموں کو اس کا علم ہو جانا چاہئے کہ تم زغالی کی نگرانی کر رہے ہو۔“  
اس سے کیا فائدہ ہو گا۔“

”اب یہ بات مجرموں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہی کہ ہم زغالی میں ٹھیک لیتے رہے ہیں۔“

”تو کیا آپ کو یقین ہے کہ زغالی بھی مجرموں کا ساتھی ہے۔“

”ہاں کسی حد تک..... بہر حال اب جاؤ جمیں..... فضول وقت نہ برباد کرو۔“

جمید چلا گیا۔ فریدی تھوڑی درست کرے میں ٹھیل رہا۔ پھر اُس نے فون کار رسیور اخھا کر کوتوالی کے نمبر ڈائل کئے۔

”ہیلو....!“ اُس نے کہا۔ اسپاٹر جکد لیش کی آواز سنائی دی۔

”ایک منٹ توقف کیجئے۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

پھر جلد ہی دوسرا طرف سے جکد لیش کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو....! جکد لیش میں فریدی ہوں۔ ذرا دیکھو تو آج کسی مزت تو نیر نے کوئی روپورٹ تو نہیں درج کرائی ہے۔“

”اوہ جناب! اُس عورت نے تو پوری کوتوالی کو ہلا کر رکھ دیا ہے مگر آپ..... کیا قصہ ہے۔“

”روپورٹ کیا ہے جکد لیش....!“

”کل رات سے اس کا لڑکا عدنان اور اُس کے چاروں بادی گارڈ غائب ہیں۔ اس کا خیال ہے بادی گارڈوں نے اُسے اغوا کیا ہے اور اب وہ تو نیر سے کسی بھاری رقم کا مطالبہ کریں گے۔ اُس نے اپنے لڑکے اور بادی گارڈز کی تصویریں بھی دیں ہیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ یہ شہر کے چار بدمعاشوں کی تصویریں ہیں کئی بار کے نہ زایاب بدمعاش....!“

”اوہ..... ذرا مجھے بھی تو ان کے نام بتاؤ۔“

جکد لیش نام بتاتا رہا اور فریدی ایک کاغذ پر نوٹ کرتا گیا۔ پھر اُس نے کہا۔ ”یہ لوگ تو

واقعی اُس سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔“

”بُری عجیب بات ہے۔“ فریدی کے ہونوں پر ایک شرات آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔  
”تینا وہ کتا کوئی خبیث روح تھی۔ تب عی تو تم ایسا محض کر دی ہو۔“

”میرا مطلب ہے۔“

”کیا مطلب ہے۔“

”وہ..... وہ ..... دیکھنے ..... خدا کرے آپ جلدی سے اچھے ہو جائیں۔ کیا میں آپ کو دیکھنے کے لئے آسکتی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ آج کل کسی سے نہیں ملتے۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میری ذہنی حالت اچھی نہیں ہے۔ زہر کا اثر پکھنہ کچھ ڈن پر بھی ہوا ہے۔ کبھی کبھی بُری طرح بہک جاتا ہوں۔“

”خدا رحم کرے۔“

”اور پکھے!“ فریدی نے پوچھا۔

”میں نہیں..... بُس خدا کرے آپ جلد اچھے ہو جائیں۔“

”شکریہ!“ فریدی نے کہا اور بُر اسامنہ بنا کر فون رکھ دیا۔ اُسے بعض اوقات اپنے ہنگے پر غصہ آنے لگتا۔ خواہ متوہ ایک لیڈی انپکٹر بھی ہمیا کر لی حالانکہ اس کی قطعی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

وہ سگار لٹا کر ایک آرام کریں میں شم دراز ہو گیا۔

بمشکل تمام دو یا تین منٹ گذرے ہوں گے کہ فون کی گھٹنی پھر بھی۔ فریدی نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے حیدر کی آواز سنائی دی۔

”میں مگر انی کر رہا ہوں جناب۔“

”وہ تو مجھے معلوم تھا۔ اتنی بات کے لئے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ فریدی نے جھلانی ہوئی آواز میں کہا۔

”میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر وہ میرے سوالات کا جواب نہ دے تو میں کیا کروں۔“

”سوالات کرنے کو تم سے کس نے کہا تھا۔“ فریدی کی آواز تیز ہو گئی۔

”میں اُس سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں..... حالات سے تو بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کسی موڑ سائیکل سوار نے تمہارا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔“

”جی ہاں..... اور اس سازش کی جزاً تغیری موجودہ روپورٹ میں ملتی ہیں۔ میں نے یہی اندازہ کیا ہے۔“

”اوہ..... کیا قصہ ہے!“

”قصہ تو ابھی خود میرے ذہن میں بھی صاف نہیں ہے لیکن آپ مجھ پر اعتقاد کیجئے۔“

”اچھا میں کیس خفیل کراؤں گا۔ تم مطمئن رہو۔“

”آج ہی جناب۔“

”اچھا بابا..... ایک طرف تم کان کھار ہے ہو اور دوسری طرف میرا نواس۔“

”میں بھی تو آپ کا پچھہ ہوں آخر۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”مگر ضدی..... پچھے..... اچھا..... اور پکھے!“

”نہیں جناب..... بُس اتنا یہ شکریہ۔“

دوسری طرف سے سلسلہ مقطوع ہوجانے پر فریدی نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ لیکن ریسیور رکھتے ہی گھٹنی بھی۔

”ہیلو!“ اس نے دوبارہ ریسیور اٹھایا۔

”میں ریکھا بول رہی ہوں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔“

”ٹھیک ہوں۔“

”زم..... کیسے ہیں۔“

”اب زیادہ تکلیف نہیں ہے۔“

”مجھے بڑی بے چینی ہے۔“

”کیوں!“

”وہ دیکھنے..... میں سوچتی ہوں..... آپ کے زخموں میں تکلیف ہوگی اور مجھے نیند نہیں آتی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ زخم میری کلائی پر ہوں۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ بکواس کئے جا رہے ہو۔“

”اچھا جناب.....!“ حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔ ”میں تو اس سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تیری کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا مگر وہ میری بات کا جواب نہیں دیتا۔ اس سے ہی سوال کرنے کے لئے بے شمار آدمی اکٹھا ہو گئے ہیں۔“  
”اوہ..... تو زغالی کو قتل کر دیا گیا۔“

”جناب والا.....!“

”فوراً واپس آ جاؤ..... اب وہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔“

”کیا میں یہ نہ معلوم کروں کہ اس کا قتل کن حالات میں ہوا۔“

”نہیں..... مجھے روٹل جائے گی۔ تم واپس آ جاؤ۔“

فریدی نے رسیور رکھ کر بجھا ہوا سگار سلکایا اور پھر کمرے میں ٹھیٹے لگا۔ لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے پہلے ہی سے علم رہا ہو کہ ز غالی مارڈا لا جائے گا۔

جلد ہی پھر فون کی گئی تھی۔ فریدی نے رسیور اٹھایا۔ لیکن اس بارہ وہ ایک عجیب و غریب زبان میں ٹفتگو کر رہا تھا، اس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان میں نہیں رہی ہے بلکہ سنکروں اور پتھر کے ٹکڑوں پر سڑک کوئئے والا نجیں چل رہا ہو۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ کبھی کبھی وہ خاموش ہو کر دوسرا طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگتا تھا۔ اس کے چہرے پر اب پھر گھرے ٹکڑے کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

رسیور رکھتے وقت اس نے ایک طویل سانس لی اور دروازے کی طرف مڑا۔ حمید بڑی دری سے دروازے میں خاموش کھڑا اسے حیرت بے دیکھ رہا تھا۔

”کیا میں ڈاکٹر کو بلاوں۔“ حمید نے گھبرائے ہوئے لبھے میں پوچھا اور فریدی بھس پڑا۔ حمید نے کچھ ایسے انداز میں یہ جملہ کہا تھا کہ اسے جیسے فریدی کے سمجھ الدماغ ہونے میں شہر ہو۔

”بیٹھو.....!“ فریدی نے کری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”میں تمہیں بتاؤں کہ اس کی موت کیسے واقع ہوئی۔“

حمد بیٹھ گیا۔ فریدی چند لمحے خاموش ہو کر بولا۔ ”ایک طویل قامت بر قعہ پوش عورت شاپور بلڈنگ کے ساتوں فلیٹ کے سامنے رکی۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے سائنسر ہو رائیوال اور نکالا اور پھر بقول تمہارے ز غالی کی کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا۔ شاپور بلڈنگ میں ہوں طرف زینے ہیں اور ساتواں فلیٹ دوسرا منزل پر ہے۔ نیچے سے سامنے کے فلیٹوں کے دروازے دکھائی دیتے ہیں۔ ہاں تو ز غالی کو ختم کرنے کے بعد وہ پچھلے زینوں سے نیچے اتر گئی اور جاتے وقت اپنا بر قعہ زینوں ہی پر پھینک گئی تھی۔“

”تب تو وہ گرفتار بھی ہو پچھلی ہو گئی۔“

”کیوں..... نہیں تو..... وہ نکل گئی۔“

”اور آپ کی بلیک فورس کے جیالے منہ دیکھتے کر رہے گئے۔“ حمید نے طنزی لمحے میں کہا۔ ”نہیں وہ بیچارے کچھ سمجھنے نہیں سکے تھے۔ وہ تو تھوڑی دیر بعد ہلا ہونے پر انہیں قتل کا علم ہوا۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ وہ گرفتار کر لی گئی ہوتی۔ فلیٹ کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا کسی پڑوی کی نظر لاش پر پڑ گئی اور اس نے ہسڑیا کی مریض کی طرح چینتا شروع کر دیا۔ بلیک فورس والے نیچے تھے اور اس فلیٹ کی گرفتاری کر رہے تھے۔ بہر حال اس آدمی کی چینیں سن کر ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔“

”تب پھر آپ دوقن سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی عورت تھا تھی۔ بر قعہ میں مرد بھی تو ہو سکتا ہے۔“

”بر قعہ کے ساتھ عورت ہی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ ویسے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ عورت تھا تھی۔ بہر حال بلیک فورس حرکت میں آگئی ہے۔“

”ز غالی کیوں مارا گیا.....؟“ حمید نے پوچھا۔

”ز غالی.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کئی وجہات ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ز غالی ان نشانات کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا تھا۔ خیر ختم کرو۔ بالی کیس کے بیٹھا لوگ آج چین کی نیند سوئیں گے۔ ز غالی ایسا ہی آدمی تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر سرکاری طور پر اس کی لاش دفن نہ کی گئی تو جنازہ یونہی پڑا رہ جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھ اس

سے صرف ڈرتے تھے۔ انہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔“

فریدی تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہو گیا۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔ “میں صحیح سے صرف دوسروں کی کالر ریسیور کرتا رہا ہوں۔ اب ایک فون میں بھی کروں گا۔” اُس نے کسی کے نمبر ڈائل کئے۔

”تیلو..... کون سعید بار صاحب۔ میں فریدی ہوں۔“ فریدی کے لجھے میں گھبراہٹ تھی۔

”بھاگے..... جتنی جلد ممکن ہو سکے..... وہ عمارت چھوڑ دیجئے۔ آپ بہت بڑے خطرے میں ہیں۔“ پھر کسی جواب کا انتظار کئے بغیر فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

”کیا مطلب.....!“ حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھو..... بیٹھو..... اس کی فکر نہ کرو۔“

”آپ مجھے پکھ نہیں بتائیں گے۔“

فریدی نے آرام کری کی پشت گاہ سے تیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

حمدید سارا دن گھر میں رہا۔ آج انور تھا اور دوپہر ہی سے مطلع ابرآلود ہو گیا تھا اس لئے وہ باہر نہیں گیا۔

وہ دن بھر فریدی کو فون کرتے یا کالئیں ریسیور کرتے دیکھتا رہا۔ حمید کے مکر استفسار پر اُس نے اتنا ہی کہا کہ وہ بستر مرگ پر بھی کام کر سکتا ہے۔

شام کو اُس نے خاص طور پر نوکروں کو ہدایت دی کہ کوئی کتا کھلانے چھوڑا جائے۔ حمید کو اس پر بھی حیرت ہوئی لیکن اُس نے کچھ نہ پوچھنے کی قسم کھالی تھی۔

ایک بار جب فریدی لیبارٹی میں تھا۔ حمید نے اس کی ایک کال ریسیوکی۔ دوسری طرف سے بولنے والی کوئی عورت تھی۔ یہ بات ذرا دیر میں سمجھ آئی کہ بولنے والی لیڈی انپکٹر ریکھا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

”فریدی صاحب کا انتقال ہو گیا۔“ حمید نے بڑی دردناک آواز میں کہا۔

”نہیں.....!“ ریکھا اتنے زور سے چیخی کر ریسیور جھینٹا اٹھا۔

”یہاں کفن دفن کا انتظام ہو رہا ہے لیکن انہوں نے مرتبے وقت کہا تھا کہ ریکھا کو میرے ساتھ ہی دفن کرنا۔“

”بڑے کہنے ہیں آپ۔“ ریکھا جلا گئی۔ ”اس قسم کے فضول مذاق کرتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی۔ بتائیے فریدی صاحب کیسے ہیں۔“

”بن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سور ہے ہوں۔ عرصہ سے اس قسم کی باروں قلائل دیکھنے کی تنا تھی۔“

”شش آپ.....!“ ریکھا حلقوں کے بل چینی اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر اندر ہمرا پھیلنے لگا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور آسان آبرآلود ہونے کی وجہ سے فضا ناروں کی روشنی سے بھی محروم ہو گئی تھی۔

نوکروں کے لئے فریدی کا سخت آرڈر تھا کہ وہ رات کے کسی بھی حصے میں اپنے کوارٹروں سے باہر قدم نہ نکالیں، خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے صرف ایک کتا کپاڑا میں کھلا رہنے دیا۔

”اور آب..... ہم لوگ۔“ اُس نے حمید سے کہا۔ ”یہ رات مختلف قسم کی تفریحات میں بس رکیں گے۔ اگر تم سونا چاہتے ہو تو یہیں ایک آرام کری پر سو بھی سکتے ہو۔“

وہ اوپری منزل کے ایک کمرے میں تھے۔ جس کی کھڑکیاں عقبی پارک کی طرف کھلتی تھیں اور یہ اس طبقہ کا کمرہ تھا۔

حمدید نے ان سارے انتظامات کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ وہ پچھر پوست اور فوٹو پلے پن آپ کے بہت رسائل اٹھا لایا تھا اور آب ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ سارے نوکر کوارٹروں میں تھے۔ اس نے اس کمرے میں اسٹوبل رہا تھا اور اس پر کافی کاپانی چڑھا ہوا تھا۔

تقریباً گیارہ بجے فریدی نے کمرے کی روشنی گل کر دی اور حمید میز پر رسالہ پختا ہوا بڑا بڑا۔ ”یہاں تو پچھر بھی نہیں ہیں کہ اندر ہیرے میں ان کی ساری گئی ہی سے دل بہلات۔“

”تو قع ہے کہ دل بہلنے کا کچھ نہ کچھ سامان ہمیاں ہی سے ہو جائے۔“ فریدی بولا۔

لیکن حمید نے اب بھی کچھ نہیں پوچھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن ایسے میں نہیں کہاں۔ کچھ بھی ہو۔ فریدی اپنا وقت بر باد نہیں کرتا تھا۔ اب تمام تیاریوں کا کچھ نہ کچھ مقصد ضرور تھا۔

## قاسم اور سایہ

فریدی دیوار کی طرف چھپتا۔ حمید بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے منہ سے ایک تحریر آمیز آواز نکلی وہ تاریخ کی روشنی میں جھکا ہوا زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔

”حید.....!“ دھنعاں نے سراخا کر کہا۔ ”یہ تو یہ ہی نشانات ہیں۔“

حمد بھی جھک پڑا۔ یہ وہی حریت انگیز نشانات تھے جو سعید بار کی کوشش کی کمپاؤٹر میں پائے گئے تھے اور جن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے فریدی نے زغالی سے مذکونے کی کوشش کی تھی۔

دیوار کے پیچے نرم زمین تھی۔ اس لئے نشانات بہت زیادہ واضح تھے۔

”میرے خدا.....!“ حمید بڑ پورا یا۔ ”وہ کیا بلا تھی۔ میں نے اسے اڑتے دیکھا تھا۔ وہ دیوار سے دو یا تین گز بلند تھا۔“

”افسوس ہے کہ میرے دونوں فائر خالی گئے۔“

”جب وہ دیوار سے زمین پر آئی تھی۔“ حمید نے کہا۔ ”کیا وہ بڑھتی ہوئی ایک بہت بڑی گیند نہیں معلوم ہو رہی تھی۔“

”حمد کو توقع تھی کہ اب فریدی بھاگ کر دیوار کی پشت پر جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ عمارت کی طرف چل پڑا۔“

”ایسے ہی کسی کے نے آپ پر حملہ کیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں..... یہ لاش تو اسی کے کی معلوم ہوتی ہے۔“ فریدی نے جواب دیا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ یہ زندہ میرے ہاتھ میں آسکا۔“

اندر آ کر فریدی نے کسی کے نمبر ڈائل کئے۔ رسیور کان سے لگائے زہا۔ بھر ڈس کنکٹ

پتہ نہیں وہ کب تک آنکھیں بند کئے آرام کریں کی پشت گاہ سے ٹکا رہا پھر اچانک وہ چوک پڑا۔ کیونکہ فریدی اُس کا داہنہ شانہ دبارہ تھا۔

”ادھر..... وہ دیکھو..... عقی پارک کی دیوار پر..... سامنے.....!“ اُس نے آہستہ نے کہا۔ کافی گہرائندھیر تھا۔ لیکن دیوار کے دھنڈ لے سے آثار تو نظر ہی آ رہے تھے۔ حمید نے دیوار پر ایک گول مٹول سا سایہ دیکھا اور پھر اُس سائے نے زمین پر چھلانگ لگائی۔ ساتھ ہی ایک تیز قسم کی غراہت سنائی دی اور وہ کسی کے نہیں کی غراہت تھی۔

”یہ میرے کسی کے کی آواز نہیں ہو سکتی۔“ فریدی نے کہا اور میز پر پڑی ہوئی رائفل اٹھا لی مگر نیچے زمین پر چھاڑیوں اور درختوں کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔

اچانک ایسا معلوم ہوا ہے دو کے آپس میں لٹپٹے ہوں۔ مگر آواز صرف ایک ہی کی سنائی دے رہی تھی اور فریدی برابر یہ کہے جا رہا تھا کہ وہ اس کے کسی کے کی آواز نہیں ہے۔ پھر..... ایک بڑی لمبی آواز سنائی دی اور سناتا چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا ہے وہ کے کی آخری چیز رہی ہو۔

بڑا سا گول مٹول سا یاب درختوں کے نیچے سے نکل کر کھلے میں آ گیا تھا۔ اچانک فریدی کی رائفل سے ایک شعلہ نکلا اور وہ دس پندرہ فٹ اوپر اچھل گیا۔ مگر اس کے بعد پھر کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں گیا۔

”افسوس.....!“ فریدی کی بھرائی ہوئی آواز تکرے میں گھنی اور حمید کی نظر پارک کی دیوار کی طرف اٹھ گئی۔ گول مٹول سا یاب گویا اڑتا ہوا دیوار پار کر رہا تھا۔ فریدی نے پھر فائر کیا۔ مگر اس فائر کا انجام نہ معلوم ہو سکا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی حمید کو کھینچتا ہوا زینے طے کر رہا تھا۔ وہ عقی پارک میں پہنچ گئے۔ تاریخ کی روشنی اندر ہرے میں آڑی ترجیحی لکیریں بنارہی تھیں۔

حمد کے روغنے کھڑے ہو گئے۔ دوسرا کتنا سیاہ رنگ کا تھا اور اس کے سر پر سفید دھاریاں تھیں جسم گرے ہاؤٹ کا ساتھا۔

کسی نے اس کی دونوں پچھلی ٹانگیں چیر دی تھیں۔

”آپ نے مز تویر کے نمبر کیوں ڈائل کئے تھے۔“  
 ”بس یونہی..... میں نے سوچا کہ تمہیں کسی شاندار عورت کی سر پرستی میں دے دیا جائے۔“  
 ”شکریہ..... مجھے آپ ہی کے زیر سر پرستی ہر قسم کا مزا آ جاتا ہے۔ آپ مزید تکلیف نہ کریں۔“  
 ”تم اُدھر کارخ بھی نہیں کرو گے مجھے۔“  
 ”مجھے بڑھی عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہی مز تویر ہے۔ تویر ٹیکنائیل مٹا اور تویر آرئن ورکس کی مالک۔“  
 ”ہاں وہی..... کیا تم اس سے بھی مل چکے ہو۔“  
 ”اگر وہ بائیک اور تیکس کے درمیان میں ہو گی تو یقیناً بھی نہ بھی مل چکا ہوں گا۔“  
 ”اس کا لڑاکا تمہاری عمر کا ہوگا۔“  
 ”اور اس سے ایک آدھ چھوٹی کوئی لڑکی ہوگی۔ میں شرط لگانے کے لئے تیار ہوں۔“  
 ”تم ہمار جاؤ گے۔“  
 حمید پکھنہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”مگر وہ خونخوار کتاب آج بھی تباہہ رہا ہوگا۔ آپ نے اس تجربے کے پکڑ میں اسے نکلنے جانے دیا۔“  
 ”حمد صاحب! مجرم میری جیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ جس وقت چاہوں ہھھڑیاں لگادیں۔ مگر میں فی الحال ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ بس دو چار دن اور ٹھہر جاؤ تاکہ جو کسر باتی رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جائے۔“  
 ”آپ تو ایسا کہہ رہے ہیں گویا یہ کسر میری شادی سے پوری ہو گی۔“  
 ”شت آپ.....!“ فریدی نے کہا اور جانے کے لئے مڑا۔ لیکن حمید فوراً ہی یوں پڑا۔  
 ”تو پھر آپ اُس گول مٹول سائے کے متعلق بھی جانتے ہوں گے۔“  
 ”نہیں میں نہیں جانتا کہ وہ کیا بلا ہے..... یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہمارے ہی لئے آئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اُس کے تھا۔“  
 ”بھی مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔ ممکن ہے آج بھی اسے یہاں اسی نیت سے لایا گیا ہو۔“  
 ”تو کیا..... وہ سایہ اُس کے تھا۔“  
 ”تو کیا..... وہ سایہ اُس کے تھا۔“

کر کے دوبارہ نمبر ڈائل کئے اور فوراً ہی پھر ڈس لکٹ کر دیا۔ اس طرح اس نے لگاتار تقریباً پہیں بار وہی نمبر ڈائل کئے اور وہ نمبر حمید کے ڈہن نشین ہو گئے۔ بہر حال اس کے بعد فریدی نے رسیور کریڈل میں ڈال دیا۔

”آپ کس سے گفتگو کرنا چاہتے تھے۔“  
 ”کسی سے بھی نہیں۔ میں تو صرف ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا، جو سو فصلی کامیاب رہا۔“  
 ”کیا کامیاب رہا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے ابھی تک اپنا وقت بر باد کیا ہے۔ آپ کی جگہ اگر میں ہوتا تو دیوار کے اس طرف پہنچنے میں دیر نہ کرتا۔“  
 ”تم پر کیا منحصر ہے۔“ فریدی برا سامنہ بننا کر بولا۔ ”مشنخو اور میر جن بھی یہی کرتے۔“  
 ”خیر..... خیر.....!“ حمید نے پیزاری سے کہا۔ ”آپ کے سب تجربات ختم ہو گئے یا ابھی کچھ باقی ہیں۔“

”اب تم سو سکتے ہو۔ مجھے توقع ہے کہ باقی رات آرام سے گذرے گی۔“  
 فریدی کرے سے چلا گیا اور حمید بڑی تیزی سے ٹیلی فون ڈائریکٹری پر جھپٹ پڑا۔  
 دوسرے ہی لمحے میں وہ اس نمبر کی تلاش میں اوراق الٹ رہا تھا، جو کچھ دیر قبیل بار بار ڈائل کیا گیا تھا۔  
 ”مگر نمبر سے پتہ معلوم کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جلا کر ڈائریکٹری میز پر پڑھ دی اور پھر اسے اپنی عقل پر غصہ آنے لگا۔ آخر تین دیر تک ڈائریکٹری میں سر کھانے کی کیا ضرورت تھی۔ نمبر کے ذریعہ پتہ تو انکواڑی سے بھی معلوم کیا جاسکتا تھا۔ ٹیلی فون انکواڑی میں کئی لڑکیاں اس کی شناسابھی تھیں۔“

اس نے انکواڑی کو رنگ کیا۔ اتفاق سے لڑکی جان پیچان والی ہی ٹکلی اور حمید کو جلد ہی مطلوبہ پتہ مل گیا۔ لیکن جب وہ پتہ ایک کاغذ پر نوٹ کر کے رسیور کریڈل میں رکھ رہا تھا اس نے فریدی کی آواز سنی۔

”لیکن تم کوئی حماقت نہیں کرو گے۔“  
 ”حید دروازے کی طرف مڑا۔ فریدی سامنے کھڑا۔ اس کا سلکارہ تھا۔“

”اس وقت نہیں صح.....!“  
 ”تو کیا صح نہ ہوتی..... بتائے کیا کام ہے۔“  
 ”صح ضرور ہوگی.....!“ دوسرا طرف سے آواز آئی ”مگر اس کام کی شروعات بستر پر پڑے ہی پڑے ہو سکتی ہے۔“  
 ”ابھی کچھ کہہ دوں گا تو....!“  
 ”شٹ اپ..... میری سنو..... کسی طرح قاسم اور سید بابر کو لادو۔“  
 ”بڑے موڈ میں ہیں آپ....!“  
 ”آ..... ہاں..... تم نے مجھے راحلہ کے متعلق بتایا تھا۔ بس لادو..... دونوں کو..... تمہاری تفریخ ہو جائے گی۔“  
 ”آخر اپ ان دونوں کو کیوں لڑانا چاہتے ہیں۔“  
 ”ایک تجربہ کر رہا ہوں۔“  
 تجربے کے نام پر حمید جلا گیا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے اپنا گانگوٹتھے ہوئے کہا۔  
 ”گردن ریت ڈالنے میری..... وجہ پوچھوں تو فرمائے ایک تجربہ کر رہا ہوں۔“  
 ”قاسم کی خواب گاہ میں فون ضرور ہوگا۔“ فریدی نے کہا۔  
 ”ہوگا..... مجھے پڑتے نہیں۔“  
 ”تم اس کے نمبر ڈائل کرو..... کوئی دوسرا بولے تو کہو قاسم سے ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ سورہا ہوگا۔ اٹھا بھی تو چھاڑ کھانے کے سے انداز میں فون پر آئے گا۔ تم کہنا کہ تم سید بابر بول رہے ہو اور پھر راحلہ کے متعلق کچھ پوچھ بیٹھنا۔“  
 ”پوزیشن کا تصور کر کے حمید بے تحاش نہ پڑا اور دوسرا طرف سے آواز آئی۔ سمجھ گئے تا۔“  
 ”میں سمجھ گیا..... لیکن آپ وجہ نہیں بتائیں گے کیوں؟“

”حمدیک پوچھو تو ابھی یہ سارے معاملات تجرباتی دور میں ہیں۔ دیسے دو ایک مجرم میری نظر میں ضرور ہیں مگر بیکار۔ کمل شہادت ملے بغیر میں ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ سب کافی باعزت اور اوپھی پوزیشن کے لوگ ہیں۔ خیر اچھا..... اب تم اپنا تجربہ شروع کرو۔“

”خدا جانے!“ فریدی نے اکٹائے ہوئے لجھ میں کہا۔ ”کیا تمہیں نیند نہیں آرہی ہے؟“  
 حمید بھنا کر وہاں سے اٹھ گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ بستر پر جانے سے پہلے ایک پاپ پینے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ پر اسرار سایہ اب بھی اس کے ذہن پر مسلط تھا۔ وہ کوئی بھاری بھر کم مگر اسکی چیز تھی جو گیند کی طرح لاٹک سکتی تھی اور نہیں کی گیند کی طرح اچھل بھی سکتی تھی۔ پہلے فائز پر تو وہ حقیقتاً کسی ایسی شیش بال عی کی طرح اچھلی تھی جسے پوری قوت سے زمین پر پڑنے دیا گیا۔ حمید دیر تک اس کے متعلق سوچا رہا پھر ذہنی رو اس خطرناک کتے کی طرف بہک گئی۔ اس نے بھی شائد زندگی میں پہلی بار اس قسم کا کوئی کتاب دیکھا تھا مگر کیا اُسی خوفناک سائے نے اس کی ناگزینی چڑھ دیا تھی۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی۔  
 اگر یہ سایہ وہی خاجس کے مجرموں کے نشانات سید بابر کی کھڑکی کے نیچے ملے تھے تو اس کے سے اسکا کیا تعلق ہے۔ اسی کتے نے فریدی پر حملہ کیا تھا۔ مگر سائے کا حملہ سید بابر کے لئے تھا۔ اسکا یہ مطلب ہوا کہ دونوں کے راستے الگ الگ تھے پھر ان دونوں کا ٹکڑا اُسی معنی رکھتا ہے۔  
 حمید کو جلد تین نیند نہ آسکی۔ وہ بستر پر پڑا جا گئا تھا۔ اُسے مجرموں سے زیادہ فریدی پر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔ اس وقت نہ تو اس نے کتے کی لاش کی پروادہ کی تھی اور نہ سہی معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ پر اسرار سایہ کہاں سے آیا تھا اور کہہ رکھا تھا۔ اس کے برخلاف وہ فون پر تنویر کے نمبر ڈائل کرتا رہا۔  
 اچاک اس کے فون کی گھنٹی بھی اور وہ میساختہ اچھل پڑا۔ اس عمارت میں تین فون تھے۔  
 ایک فریدی کی خواب گاہ میں رہتا تھا۔ دوسرا حمید کی خواب گاہ میں اور تیسرا الابریری میں۔  
 ”ہیلو.....! کیا سو گئے۔“ اس نے فریدی کی آواز سنی۔  
 ”آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔“ حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔  
 ”بستر سے۔“

”اور میں اہرام مصر پر ہوں۔“  
 ”سنونماق نہیں۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔“  
 ”بستر پر پڑوں چڑک کر آگ لگا دوں..... سیلی تا۔“ حمید جلا گیا۔

”اچھا.....!“ چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید کے ”بیلو“ کہنے پر قاسم چھٹ پڑا ”ابے او سعید بابر کے بچے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے..... سالے....!“

”ذرائعز سے گفتگو کہجئے۔“ حمید نے لمحے میں غصیلاً پین پیدا کیا۔

”تیری تمیز کی دم..... پر احاطہ کیا تیری مہانی لگتی ہے۔“

”قام صاحب! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔“

”ابے میں تیری بوئیاں اڑا دوں گا۔ بڑا افریقہ کا بچہ۔ خیر دار جواب کبھی ادھر کارخ کیا۔

مار مار کر بھس بھر دوں گا۔“

”میں آپ کی دھیانی اڑا دوں گا۔ آپ ہیں کس خیال میں۔“ حمید نے کہا۔ ”راحلہ میری ہے اور بھیش میری رہے گی۔“

”تیرے باپ کی ہے راحلہ..... اچھا تھہرو۔۔۔ سور کے بچے! میں وہیں تمہارے گھر پر آتا ہوں..... پھر دیکھوں گا کہ راحلہ کس کی ہے۔“

”آپ میرے گھر پر آ کر اپنی موت کو دعوت دیں گے۔“

”اچھا..... اچھا....!“

”راحلہ کو ساتھ لیتے آئے گا۔“ حمید نے کہا۔

”خرموش.....!“ قاسم چکھاڑا۔ ”شور کے بچے..... ابے میں کچھ آرہا ہوں۔ اسی وقت پھر دیکھوں گا کہ تجھ میں کتنا دام ہے۔“

”دوسری طرف سے سلسلہ مقطوع ہو گیا۔ حمید پیٹ دبائے ہوئے بے تحاشہ تھقہنے لگا رہا تھا۔ اس نے پھر فریڈی سے گفتگو کرنے کے لئے رسیور اٹھایا۔

”کیا بات ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”وہ ابھی اور اسی وقت سعید بابر کی بھیاں توڑنے جا رہا ہے۔“

”خوب....!“

”میں بھی جا رہا ہوں۔“

”تم کیا کرو گے۔“

حمدی فون کا سلسلہ مقطوع کر کے سوچ میں پڑا گیا۔ ضروری نہیں کہ فون خواب گاہ میں ہوا ور قاسم کے نوکر یا مگر کے افراد شاید ہی اسے جگانے کی ہمت کر سکیں۔ پھر اچانک اسے یاد آیا کہ اس نے ایک بار دو تین ٹیلی فون آپریٹر لا کیوں کا تعارف قاسم سے کرایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ انہیں فون کرتا ہو۔ دن کو بیوی کی وجہ سے دشواری ہوتی ہو گی اس لئے وہ رات کو ضرور کوشش کرتا ہو گا۔ وہ دونوں الگ الگ کر کے میں سوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے آج کل ایک فون خواب گاہ میں رکھ چھوڑا ہو۔

اس نے قاسم کو فون کرنے سے پہلے ایک بار پھر فریڈی سے رابطہ قائم کیا۔ ”بیلو..... میں ہوں ..... جی ہاں.....“ مگر سعید بابر کو تو آپ نے نکلس لین سے بھاگا دیا ہے۔ ”بھی تو مصیبت ہے۔“ فریڈی بولا۔ ”وہ ابھی تک وہیں جما ہوا ہے۔ میرے کہنے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے بعد کو مجھے فون کیا تھا۔ کہتا تھا کہ وہ قطبی کسی سے مرعوب یا خائف نہیں ہے۔ اگر اس کا بھائی یہاں ایڈیاں رکھ کر مرا ہے تو میں بھی یہیں مر جاؤں گا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ایسے بڑلوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا جو ایک اپاچ کی رقم ہضم کر کے اسے بھیگ مانکنے پر مجبور کرتے رہے۔ اب میں تمہیں بتاؤں کہ قاسم کی وجہ سے اسے وہ کوئی چھوڑنی ہی پڑے گی۔“

”آخ راپ اس بیچارے کو وہاں سے کیوں نکلوانا چاہتے ہیں۔“

”یہ ابھی نہ پوچھو..... بس دیکھتے جاؤ۔“

فریڈی نے سلسلہ مقطوع کر دیا۔ اب حمید قاسم کے نمبر ڈائیکل کر رہا تھا۔ اسے تقریباً پانچ بار نمبر ڈائیکل کرنے پڑے۔ پھر دوسری طرف سے رسیور اٹھنے کی آواز آئی۔

”ہالو..... قون..... کون ہے۔“ قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

”قام صاحب.....!“ حمید نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش کی۔

”ہاں قاسم صاحب..... تم کون ہو..... بھی قوئی حرکت ہے۔“

”کیا راحلہ جاگ رہی ہیں۔“

”ابے تم کون ہو.....!“ قاسم دہاڑا۔

”سعید بابر.....!“ حمید نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

”واہ.....اصل تفریخ تو وہیں ہوگی.....اچھائیں چلا۔“  
”مٹھرہو.....! سنو وہ دونوں تمہیں دیکھنے نہ پائیں۔“

”آپ مطہن رہیں.....!“ حمید نے کہا۔ ریسپور کریڈول میں ڈالا اور بڑی تیزی سے  
لباس تبدیل کرنے لگا۔ کرے سے باہر نکلتے وقت اُس کے جسم پر سیاہ پتلون اور چڑے کی  
جیکٹ تھی۔

اُسے کچھ اچھی طرح یادیں کہ اُس نے گھر سے سعید کی کوٹھی تک کارستہ کیے ٹے کیا۔  
کار ایک گلی میں کھڑی کر ک  
وہ کوٹھی کی پشت پر پہنچ گیا۔ کوٹھی کے گرد قد آدم چہار دیواری تھی۔ حمید بڑی اعتیاط سے  
اس پر چڑھا اور درمری طرف اتر گیا۔

لیکن آج ایک حرث انجیز بات اس نے مارک کی تھی۔ کوٹھی کی کپاؤٹھ کا چھانک کھلا ہوا  
قا اور عمارت کی بعض کھڑکیوں میں روشنی بھی نظر آ رہی تھی۔

حمدید پام کے گملوں کی اوٹ میں رک گیا۔ بہاں سے چھانک صاف نظر آتا تھا۔ اچانک  
اُسے قاسم کی آواز سنائی دی، جو شاید چھانک میں داخل ہونے سے پہلے ہی دہاڑنے لگا۔

”ابے اوسید بابر کے بچے.....میں آ گیا.....نکل تو باہر۔“

پھر چھانک میں اس کے پہاڑ جیسے جسم کا حصہ لاسا سایہ نظر آیا۔ وہ پورچ کی طرف بڑھ  
رہا تھا اور ساتھ ہی مخالفات کا طوفان امنڈا ہوا تھا۔ اچانک حمید کے جسم کے سارے رو ٹنگے  
کھڑے ہو گئے کیونکہ قاسم کے پیچے بھی ایک سایہ تھا۔ وہی گول مٹول سا سایہ جو تموزی دری قبل  
فریدی کی کوٹھی میں نظر آیا تھا۔ وہی تھا.....سو فیصدی وہی تھا۔

حمدید اسے محفل وہاہ نہیں بھج سکتا تھا۔ وہ زمین پر کسی بڑی سی گیند کی طرح لاٹھ رہا تھا  
اور قاسم شاید اس کی موجودگی سے لعلم تھا۔ دونوں میں بمشکل تمام دس گز کا فال صدر رہا ہوگا۔  
حمدید بوکھلا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فائز کر دینے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ لہذا  
اس نے روپا اور نکال کر پے در پے تین فائز جھوک دیے۔

”ہت تیرے کی.....!“ اس نے قاسم کی چلگماڑی۔ ”سالے بزدل۔“

حید نے ان گول مٹول سائے پر فائز کئے تھے اور اُسے اچھل کر دوبارہ زمین پر گرتے  
دیکھا تھا مگر پھر اُس کے بعد وہ نظر نہیں آیا اور قاسم بھی ندارد.....“

”قاسِم.....!“ حمید نے اُسے آواز دی۔

”قق.....قون.....!“ قریب ہی سے کپکاپتی ہوئی آواز آئی۔

ساتھ ہی کسی نے اوپری منزل کی ایک کھڑکی سے آوازوں کی سمت تاریخ کی روشنی ڈالی۔

”حید بھائی.....!“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ شاکدابی تک زمین پر چت پڑا رہا تھا۔  
پھر وہ اوپری منزل والی کھڑکی کی طرف ہاتھ ہلا کر چینا۔

”آس سالے.....نیچے آؤ۔ تم نے ایک پولیس آفیسر کی موجودگی میں مجھ پر گلیاں چلانی ہیں۔“

”کون ہے.....!“ اوپر سے آواز آئی۔

”میں تھہارا بابا۔.....نیچے آؤ.....!“ قاسم نے لکارا۔

حمدید بوکھلا گیا۔ یعنی مصیبت تھی۔ قاسم کو کنٹرول کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ کیا سوچ کر  
آیا تھا اور کیا ہو گیا؟ فریدی نے اُس سے کہا تھا کہ وہاں اس کی موجودگی کا علم ان دونوں کو نہ  
ہونے پائے۔ مگر وہ مدرسہ اسلام میں آ کردا۔ اگر حمید اس پر فائز نہ کرتا تو قاسم کہاں ہوتا۔

”قاسم شور نہ چاہو۔“ حید نے آہستہ سے کہا۔ ”تم اس وقت خطرے میں تھے۔ گولی میں  
نے چلانی تھی۔“

”ارے واه.....!“ قاسم ہاتھ چاکر بولا۔ ”میں ہی خطرے میں تھا اور مجھ ہی پر تم نے  
گولی چلانی۔.....تمہاری عحق میں کھو پڑی ہے یا نہیں۔“

و غتنا تھی۔ مغلی منزل کا دروازہ کھلا اور بیر و فی بر آمدے کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔

سعید بابر شب خوابی کے لباس میں دروازے میں کھڑا تھا۔ قاسم بڑی تیزی سے اس کی  
طرف جھینا۔ مگر حید نے اس سے بھی زیادہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

”تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔“ حید نے اس سے پوچھا۔

”اس سالے کو بابر بناؤں گا۔ مگر تم نے مجھ پر فائز کیوں کیا تھا۔“ وہ رک کر حید کی  
طرف پلت پڑا۔

”کون صاحبان....!“ سعید بابر نے ہر آمدے سے کہا۔ ”میں نے شاید فائرؤں کی آوازیں سنی تھیں۔ میرے ہاتھ میں بھی ریو الور ہے اور میں ایک ستون کی اوٹ میں ہوں۔“  
”کیپشن حید....!“ حید نے گرجدار آواز میں کہا۔  
”اوہو.... کپتان صاحب.... فرمائیے۔“ سعید بابر پھر روشنی میں آگیا۔  
”میں فرماؤ نگا....!“ قاسم دہاڑا۔ اور ایسا فرماؤ نگا کہ تم مہینوں چار پانی سے اٹھنے کو گے۔  
”یہ کون صاحب بول رہے ہیں کپتان صاحب! آپ حضرات یہاں کیوں تشریف لائے۔“  
”جہاں تم کہو۔“ قاسم نے چیخ کرنے سے انداز میں کہا۔ ”میں ہر جگہ تیار ہوں گا۔“  
”قاسم خاموش رہو....!“ حید نے کہا۔  
”وہ دونوں برآمدے میں پہنچ گئے۔“

”اوہو.... قاسم صاحب....!“ سعید بابر نے حیرت سے کہا پھر حید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت آپ حضرات کی موجودگی کا کیا مطلب ہے۔“  
”موجودگی کا مطلب موجودگی ہے۔“ قاسم غرایا۔ ”ہاں اب کہہ جو کچھ کہہ رہے تھے۔“  
”میں کچھ نہیں سمجھا جناب۔“  
”جناب سالاگیا چوہے میں.... میں شرافت سے نہیں پیش آؤں گا۔“  
حید نے سوچا کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو فریبی اچھی طرح اسکی خبر لے گا۔ لہذا اس نے سعید بابر سے کہا۔ ”کیا آپ کو علم ہے کہ آج رات بھی آپ بال بال بنے ہیں۔“  
”یتم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ بال بال بنے ہیں۔“ قاسم غرایا۔ ”کیا تم میرا ہاتھ پکڑ لو گے، ہے اتنی ہمت.... ہاں بابر صاحب۔ اب تم راحل کا نام ناپاک زبان سے نکالو تو دیکھوں۔“

”راحل کیا مطلب....!“  
قاسم کا ہاتھ جلن گیا۔ بھر پور ہاتھ۔ سعید بابر لکھ راتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔  
”قاسم.... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“ حید در میان میں آگیا۔ ”پیچھے ہمورنہ گولی مار دوں گا۔“  
”ارے.... ارے....!“ قاسم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔  
”بس چلے ہی جاؤ۔ اسی میں خیریت ہے۔ میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔ سعید بابر کی

حافظت سرکاری طور پر کر رہا ہوں۔ اس وقت تمہارا دوست نہیں..... جاؤ۔“  
سعید بابر فرش پر بیٹھا بایاں گال دبائے خون جھوک رہا تھا۔  
”اچھا سرکاری کے بچے! میں تمہیں بھی دیکھ لیوں گا۔“ قاسم لیخت دوسری طرف مرتا ہوا بولا۔  
پھر برآمدے کے نیچے اتر کر دھاڑا۔ ”سعید بابر.... کان کھول کر سن لو۔۔۔ اب اگر تم نے راحل کا نام بھی لیا تو جنم میں ہو گے۔ ہاں....!“ اور پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا تار کی میں گم ہو گیا۔  
”یہاں اس وقت کیوں آیا تھا۔“ حید نے سعید بابر سے پوچھا۔  
”میں نہیں جانتا۔۔۔ عجیب وحشی آدمی ہے۔“  
”ویسے وہ کہی بار مجھ سے بھی کہہ چکا ہے کہ اسے آپکا اور راحل کا ملنا جانا پسند نہیں ہے۔“  
”جگہ مارتا ہے.... میں اور راحل بہت جلد شادی کرنے والے ہیں۔“  
”اوہ خیر.... مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔“ حید نے کہا۔ ”لیکن یعنی اطلاع اُس کے لئے سننی خیز ضرور تھی۔ سننی خیز اس لئے تھی کہ قاسم اس کے متعلق سننے ہی شائد اپنی ہی ہذیاں چاڑا لے۔“  
”آج یہاں دراصل میری ڈیوٹی تھی۔“ حید نے سعید بابر سے کہا۔ ”جس دن سے آپ پر حملہ ہوا ہے کوئی نہ کوئی یہاں ضرور موجود رہتا ہے۔“  
”میں شکر گزار ہوں جناب۔“  
”ذرما ہارچ مجھے دیجئے اور میرے ساتھ آئیے۔“ وہ دونوں برآمدے میں آئے۔  
حید نے ٹارچ کی روشنی وہاں ڈالی جہاں اُسے وہ پر اسرار سایہ نظر آیا تھا۔ یہاں دیے ہیں حیرت انگیز نشانات موجود تھے۔  
”میرے خدا....!“ سعید بابر خوفزدہ آواز میں بڑا یا۔  
”میں نے اسی پر فائز کیا تھا۔۔۔ مگر شائد وہ فولادیا پھر کی کوئی تلوق ہے۔“  
”چلئے۔“ سعید بابر اسکا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔ ”یہاں اب نہ ٹھہریے۔“  
سعید دوڑ رہا تھا۔ حید کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ لہذا حید کو بھی دوڑنا پڑا تھا۔ سعید بابر دروازہ بند کر کے ہائپنے لگا۔

”قیا.....!“ قاسم دہڑا۔ ”قیھی نہیں ہونے دوں گا۔“

”بھلام کیسے روک سکو گے۔ راحلہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔“

”میں دونوں کو گولی مار دوں گا۔“

”آخ کیوں! تمہارا کیا بگزتا ہے۔“

”میں اب دنیا میں کسی کی شادی نہیں ہونے دوں گا.....سامجھے۔“

”کیوں پر خوردار.....!“

”یونہی..... میرا دل چاہتا ہے اور اب تو میں سعید بابر کو شہر ہی میں نہ رہنے دوں گا۔“  
قاسم نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ حمید نے جیسے ہی ریسیور کھلا۔ گھٹی پھر بجی۔  
”ہیلو..... حمید۔“ آواز آئی۔ آواز فریدی کی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ ”عدنان والا کیس بھی  
میرے ہی پاس ہے۔ تم تو یہ سے مل کر ان چاروں آدمیوں کے متعلق ضرور معلومات فراہم کرو،  
جو عدنان کے ساتھ ہی غائب ہو گئے تھے۔ اس کے لئے اپنی تامتر ہمدردیاں ظاہر کرنا مخفی اس  
لئے کہ ہم میں شناسائی تھی سمجھے۔“

”سمجھ گیا..... جا رہا ہوں۔ لیکن نیند کی وجہ سے دماغ کچھ ماوف سا ہو رہا ہے۔ اگر ایسی  
ذہنی حالت میں مجھے تنویر سے عشق ہو گیا تو تمام تر ذمہ داری آپ پر ہو گی۔ کیونکہ نیند ہی کے  
عالم میں ایک بار.....!“ حمید بکارہ اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔  
اُسے بہت عرصہ سے تنویر کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ اُس نے اس کی حیرت انگیز صحت کے  
متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔

tnovir نے اُسے اپنے نجی آفس میں ریسیو کیا۔ لیکن حمید اس کے چہرے سے قطعی اندازہ نہ  
لگ سکا کہ وہ اپنے لڑکے کے لئے مغموم ہے۔

آفس میں دو لاکیاں رجڑوں پر جھلکی ہوئی تھیں۔

”مجھے یہاں کی پولیس سے بڑی شکایت ہے۔“ تنویر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن آپ لوگ بھی غلطیاں کرتے ہیں۔ کئی بار کے  
سزا یافتہ لوگوں کو آپ نے باڈی گارڈ بنار کھا تھا۔“

## خوفاک لمحات

حمد کو نہیں معلوم تھا کہ اب فریدی کا کیا پروگرام ہے۔ اُس نے اسے وہ سارے واقعات  
 بتائے تھے جو سعید بابر کی کوئی میں پیش آئے تھے، جواب میں فریدی نے مسکرا کر صرف اتنا ہی  
 کہا۔ ”ضروری نہیں کہ ہماری ساری ایکسیں کامیاب رہی ہوں۔ میں نے دوسری طرح کام  
 نکالنا چاہتا تھا مگر نہیں ہو سکا۔“

حمد نے سوچا کہ نہیں ہو سکا تو جہنم میں جائے۔ اُسے کیا؟ مگر اُس نے فریدی کو راحل اور  
 سعید بابر کی ہونے والی شادی کی خوشخبری سنائی دی۔

”مہت دلچسپ.....!“ فریدی مسکرا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

”ضرور دلچسپ.....!“ حمید دانت نکال کر بولا۔ ”دوسرے کی شادیوں کے متعلق سن کر  
 آپ کو کافی مزہ آتا ہے۔“

فریدی باہر جانے کے لئے تیار تھا اس لئے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ حمید اپنے کمرے میں  
 آگیا، وہ پچھلے چوہیں گھنٹوں میں بیٹھکل تمام تین گھنٹے سویا ہو گا۔

بستر پر جانے سے پہلے اُس نے قام کو فون کیا۔ فون سیلہ نے ریسیور کیا تھا۔ پھر قام آگیا۔

”میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ قاسم نے ناخنگوار لمحے میں کہا۔

”مت کرو بات..... لیکن میں سرکاری طور پر ماں سعید بابر کی حفاظت کے لئے تھا۔“

”سرکاری کی ایسی کی تیسی۔ تم نے پہلے مجھ پر گولی چلانی پھر دوبارہ گولی مار دینے کی دھمکی  
 دی۔ ویسے اگر تم مجھ سے پہنچا ہو تو میں اب بھی تیار ہوں۔“

”میں نے تم پر گولی نہیں چلانی تھی۔ تمہارے پیچھے ایک آدمی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سعید کی  
 تاک میں آیا ہو۔ بہر حال میری ایک بھی گولی اس کے نہیں لگی۔ سعید بابر کی زندگی خطرے میں  
 ہے۔ ایک بار تمہاری موجودگی میں بھی اس پر فائز ہو چکا ہے۔“

”صرف زندگی خطرے میں ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ سالا مرے بھی تو کسی طرح۔“

”اب میں ایک بڑی خبر سناؤں گا۔“ حمید نے کہا۔ ”راحل اور سعید کی شادی ہونیوالی ہے۔“

”یہ تو مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ وہ سزا یافت تھے۔“ توریز بولی۔ ”اُن مردوں نے مجھے اپنے سرپلکیت دکھائے تھے۔“

”چوریوں، ڈکتیوں اور کشت و خون کے سرپلکیت .....!“ حمید نے پوچھا۔

”نبیں..... انہوں نے کہا کہ وہ ریٹارڈ فوی ہیں۔ ان کے پاس سرپلکیت تھے۔“

”اوہ..... تو آپ ان کے مقتل دھوکے میں تھیں۔“

”قطیعی دھوکے میں رہتی۔“

”وہ آپ کے پاس کب سے تھے۔“

”پانچ سال سے..... لیکن اس دوران میں کبھی انہوں نے مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ عدنان کو کیوں لے گئے۔“

”اگر عدنان صاحب ہی انہیں کہیں لے گئے ہوں تو۔“

”نبیں..... وہ مجھے اطلاع دیئے بغیر کہیں نہیں جا سکتا۔“ توریز نے کہا اور کچھ سوچنے لگی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کچھ اور بھی کہے گی لیکن وہ کافی دریک کچھ سنا ہوئی اور حمید دونوں لڑکوں کا جائزہ لیتا رہا۔

”مٹھریے..... میں ابھی آتی ہوں۔“ توریز نے کہا اور اٹھ کر آفس سے نکل گئی۔

حیداب باقاعدہ طور پر لڑکوں کو گھومنے لگا تھا۔ ایک لڑکی سے کئی بار نظریں ملیں۔ حمید کے دیکھنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ لڑکی کو بولنا ہی پڑا۔

”کیا آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔“

”جی ہاں.....!“ حمید ایک طویل سانس لے کر بولा۔ ”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکوں کو کلر کی کرتے دیکھ رکھیرا لکیجہ خون ہو جاتا ہے۔“

لڑکی بُر اسامنہ بناتے کہ پھر کاغذات میں مشغول ہو گئی۔ حمید نے دوسرا لڑکی کی طرف دیکھا جو اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

”آپ کا لکیجہ خون کیوں ہو جاتا ہے جناب۔“

”آپ اتنی ذرا سی بات نہیں سمجھ سکتیں۔ میں لڑکوں کو اسکے صحیح مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”ذرما مجھے بھی تو آگاہ کیجئے اس مقام سے۔“ لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھیجنے کر بولی۔

”نگین مرغزاروں میں چاندی کی جھیلوں کے کنارے، صنوبر کے سائے تھے اور.....!“

”یعنی ہم.....!“ لڑکی بات کاٹ کر بولی۔ ”مرغزاروں کی گھاس چیزیں اور جھیل سے

ٹھنڈا پانی پی کر سور ہیں۔“

”اوہو..... آپ میں جمالیاتی حس بالکل نہیں معلوم ہوتی۔“

”جی ہاں..... اس وقت بالکل مردہ ہو گئی ہے جمالیاتی حس..... کیونکہ صحیح سے اب تک

صرف دوسرا کیس اور ایک کپ چائے پر ہوں۔ لفڑ کے بعد پھر جاگ اٹھے گی جمالیاتی حس۔“

”اوہو! مجھ سے غلطی ہوئی۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”لڑکوں کا صحیح مقام دراصل باور پی

خانہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری نانی صاحبہ اپنے وقت کی سب سے بڑی مفلک تھیں۔“

”خدا غارت کرے ان نانیوں اور دادیوں کو انہیں کی بدولت عورتوں کی مٹی پلید ہوئی ہے۔“

”جید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ توریز واپس آگئی۔ لیکن اس کا چیزہ اُترا ہوا تھا

آنکھوں سے بے چینی متراضی تھی۔

”وزیر میرے ساتھ آئی۔“ اس نے کہا اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔ حمید اٹھ کر

باہر نکل آیا۔

”کیا بات ہے..... آپ کچھ پریشان ہی نظر آ رہی ہیں۔“

”ہاں..... میں پریشان ہوں۔ میں دراصل آپ کو ایک چیز دکھانا چاہتی تھی لیکن اب وہ

دہاں نہیں ہے..... آئیے میرے ساتھ۔“

”جید اپنے شانوں کو جنم دے کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ رہائشی عمارت میں آئے۔ یہ

شاید نشست ہی کا کرہ تھا۔ توریز نے مثل پیس پر رکھے ایک آنبوی ڈبے کی طرف اشارہ کیا

جس پر نقش و نگار بننے ہوئے تھے۔

”آج کل میری کوئی میں کچھ نامعلوم آدمی..... مٹھریے۔“ وہ دروازے کی طرف جھیٹی

اور حید اس ڈبے کی طرف دیکھنے لگا۔ توریز کا جملہ اور اشارہ دونوں ہی ادھوڑے سے رہ گئے

تھے۔ وہ دروازے تک گئی اور پھر واپس آگئی۔

ہوش میں آئے ہوئے کافی وقت گذر گیا لیکن حمید کی ذہنی اور جسمانی حالت درست نہ ہوئی۔ اس کا ذہن ان اوٹ پنگ خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ کیفیت وہی تھی جو کسی بے ربط خواب کی ہوتی ہے۔

پھر اس نے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی اور دفتار چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ زینوں پر اسے تنویر نظر آئی۔ بڑی شان سے آہستہ آہستہ نیچے آرہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چڑی کا ہنر تھا۔ وہ حمید سے تین یا چار فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔ اس کی آنکھوں سے خارت اور نفرت جھاںک رہی تھی۔

”عدنان کہاں ہے۔“ اس نے سرد لمحے میں کہا۔

”میں..... کیا جا..... نوں.....!“ حمید نے بدقت کہا۔

”یہ اذیت خانہ ہے..... تم سک سک کر مر جاؤ گے۔“

حمدید نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن دوسرا ہی لمحے میں تنویر نے اس کے سینے پر پیرو رکھ دیا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سینے کی بڑیاں ٹوٹ جائیں گی۔

پتھر نہیں وہ حقیقتاً اتنی ہی طاقتور تھی یا یہ حمید کی موجودہ نقاہت تھی جس کی بنا پر اس نے ایسا محسوس کیا تھا۔

”خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ پڑے رہو۔ اس نے اس کے سینے پر سے پتھر

ہٹاتے ہوئے کہا۔ درنے بیان تمہیں کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔“

حمدید پھر حمید تھا اور تنویر عورت تھی۔ معمر اور سخت مزاج ہی سکی لیکن اپنی صحت اور رکھاڑ کی بنا پر غلط فہمی میں بدلتا ہو گئی تھی۔

”تنویر.....!“ حمید نے دردناک لمحے میں کہا۔ ”ہوش میں آنے کے بعد میں کچھ اور سمجھا تھا۔ گرتم عدنان کا قصہ لے بیٹھیں۔“

”کیا سمجھے تھے۔“ تنویر غرائی۔

”میں سمجھا تھا شاید تم مجھ پر عاشق ہو گئی ہو تو۔“

”شراب.....!“ چڑے کا ہنر حمید کے پیروں پر پڑا۔ مگر وہ تملانے کی حد تک بھی ہاتھ

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ہر وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی چھپ کر میری گفتگوں رہا ہو۔.... عدنان کا اس طرح غائب ہو جانا کسی گھری سازش کا پیش خیمہ ہے۔ پہلے تو میں یہ بھتی تھی کہ شاید وہ چاروں مجھ سے کوئی بڑی رقم وصول کرنا چاہتے ہیں۔“

”ہمارا بھی یہی خیال تھا۔“ حمید نے کہا۔

”مگر اب..... چھلی ہی رات کی بات ہے کہ پاؤٹ میں کچھ نامعلوم آدمی موجود تھے انہوں نے کئی کھڑکیوں سے شکست توڑ کر اندر رکھنے کی کوشش بھی کی تھی۔“

”کامیاب نہیں ہو سکے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں کامیاب ہو سکے..... لیکن آج صبح میں نے ایک کھڑکی کے نیچے ایک لاکٹ پڑا پایا تھا۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ پولیس کے کسی کام آسکے لہذا میں نے اسے اس سیاہ ڈبے میں رکھ دیا۔ آپ کی آمد پر میں نے ارادہ کیا کہ وہ لاکٹ آپ کو دکھاؤ۔ مگر ہمیرے خدا اس ڈبے میں لاکٹ کی بجائے.....!“

تنویر پھر خاموش ہو گئی۔ اسکے ہونٹ کا نپ رہنے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی نرمی خبر سناتے ہوئے ڈر رہی ہو۔ آخر اس نے بدقت تمام کہا۔ ”اس ڈبے میں ایک کٹا ہوا ہاتھ ہے۔“

حمدید ڈبے کی طرف جھپٹا اور اسے میٹھل پیس سے اتار کر کھوئے کی کوشش کرنے لگا۔

”کیا یہ مقلعہ ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”نہیں وہ سفید بن دبائیے۔“ تنویر بولی۔

بن پر انگلی پڑتے ہی ڈھکن اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن حمید..... لاکٹ اکر دوچار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ڈبے اب بھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ مگر نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ آنکھوں اور ڈبے کے درمیان زرد رنگ کا گھرا غبار حائل ہو گیا تھا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اندر ہرے میں ہو۔ گھرے اندر ہرے میں۔ پھر اسے یاد نہیں کر کیا ہوا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد ہوش آیا۔ اسے وقت کا احساس نہیں ہوا۔ البتہ اب بھی وہ اندر ہرے ہی میں تھا اور اس کی ذہنی حالت اعتدال پر نہیں آئی تھی۔ اس نے زمین سے اپنا وہ ہاتھ اٹھانا چاہا۔ جس پر ریڑیم ڈائل کی گھڑی تھی لیکن یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ ویسے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے ہاتھ بیڑ آزاد ہیں۔

”تمہیں زغالی کے پاس کس نے بھیجا تھا۔“

”کرٹل فریدی نے۔“

”اُسے کیا معلوم کر زغالی اُس کے متعلق کچھ بتا سکے گا۔“

”کرٹل فریدی آدمی نہیں جن ہیں۔“ حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

تو توری تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموش ہو گئی اور حمید بولا۔ ”تم آخر یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو۔ کیا تم اُس جانور کے متعلق کچھ جانتی ہو۔“

”ہاں..... میں جانتی ہوں۔“ توری کے ہونوں پر ایک سفاک ہی مسکراہت نمودار ہوئی۔

”میں جانتی ہوں۔ وہ آدمی کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتا ہے۔ کل رات وہ کرٹل فریدی اور کیپشن حمید کا گوشت کھانے کیلئے گیا تھا مگر وہ دونوں ہوشیار تھے۔ پھر وہ سعید بابر کا گوشت کھانے کیلئے گیا لیکن وہاں بھی کیپشن حمید ہی آڑے آیا۔ لہذا اب تم خود سوچ لو کافی بھendar ہو۔“

حمد نائلے میں آگیا۔ اب اس کی عقل راستے پر آرہی تھی۔ نہ صرف عقل صحیح راستے پر آرہی تھی بلکہ فریدی کی بعض ”حماقتیں“ بھی یاد آرہی تھیں۔ مثلاً پھریل رات کو اس نے اس گول مٹول بلاک کے تعاقب میں جانے کی بجائے توری کے میلی فون نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیئے تھے تو کیا..... توری ہی..... حمید کا پب گیا۔ اس نے توری کی طرف دیکھا جو پلکیں جھپکائے بغیر اُس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

”کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو۔“ توری کی تیز قسم کی سرگوشی کر کے میں گوئی۔

حمید کچھ نہ بولا۔

”میں تمہیں دکھاؤں گی۔“ توری دلکشیں طرف والی دیوار کی طرف جاتی ہوئی ہوئی۔ اچاک کر کے کی تیز روشنی دھنلاہت میں تبدیل ہو گئی..... اور حمید نے محسوس کیا جیسے سامنے والی دیوار اپنی بلگہ سے کھک کر ایک طرف دوڑتی چلی گئی ہو۔ ساتھ ہی سڑتے ہوئے گوشت کی بدبو سے اس کا دماغ پھنسنے لگا۔

ہٹی ہوئی دیوار کی دوسری طرف گھری تار کی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ تار کی بھی دھنلاہت میں تبدیل ہو گئی۔

پھر نہیں ہلا سکتا تھا۔ ذبے سے نکلنے والا زرد رنگ کا غبار شانداری لئے استعمال کیا گیا تھا کہ اس کی قوت ہی ختم ہو جائے۔ مگر حمید کی زبان کی قوت سلب کرنا کس کے لئے کاروگ تھا۔

”میں اس ٹریجڈی کے بعد ایک کہانی لکھوں گا جس کا عنوان ہو گا ’سنگدل مجوبہ۔‘“

ہٹر پھر پڑا۔

”مارڈا لو.....!“ حمید مسکرا کر بولا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ حمید کو چوٹ کا بھی کچھ ایسا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا۔

توری چند لمحے اُسے گھوڑتی رعنی پھر بولی۔

”تمہیں بتانا پڑے گا کہ عدنان کہاں ہے۔“

”ہم اُسے تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر یہ طریقہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ توری کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ عدنان کو ہم نے اخواء کیا ہے۔“

توری کچھ نہ بولی۔ وہ غور سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

”خدا کی قسم بس ذرا سامسکرا دو۔ ان پتلی پتلی یا توپی کا شوں پر مسکراہت بڑی بھلکی لگتی ہوگی۔“

”شٹ آپ.....!“

حمد ایک ٹھنڈی سی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ عدنان کہاں ہے۔

”کیا تم ایک رات زغالی کے گھر نہیں گئے تھے۔“ توری نے پوچھا۔

”یقیناً گیا تھا.....!“

”تمہارے ساتھ کون کون تھا۔“

”سار جنت ریمش اور پروفیسر دیال۔“

”کیوں گئے تھے۔“

”کسی عجیب و غریب جانور کے پیروں کے نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے۔“

”نشانات کہاں ملے تھے۔“

”افریقہ کے ایک ناجر سعید بابر کی کپڑا ڈھن میں۔“

فرش پر ایک بہت بڑی سی گیند لاٹھکتی پھر رعنی تھی۔ حمید کچھ اس قسم کی آوازیں بھی سن رہا تھا جیسے کوئی ریلوے انجن اسیم چھوڑ رہا ہو۔  
”تموں ناگا.....! میں دہاں روشنی کروں گی۔“ تنویر نے کہا۔

اور وہ گول مٹول سایہ لاٹھکتا ہوا ایک طرف چلا گیا اور دوسرا کمرہ بھی روشنی میں نہا گیا۔ مگر حمید نے دوسرے ہی لمحے میں اپنی آنکھیں بند کر لیں کیونکہ سامنے ہی اسے انسانی ہڈیوں کے تین پیغمبر نظر آگئے تھے۔ دو تو صرف ہڈیوں کے ڈھانچے تھے لیکن تیرے پر ابھی تمہوزاً گوشت باقی تھا اور شاید یہ اسی کی بدبو تھی۔ اچانک ایک آدمی گھٹنوں کے مل چلتا ہوا اس کمرے میں آگیا جہاں حمید فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ آنے والے کاشیوں بڑھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر مردنی تھی۔ آنکھیں حلتوں میں سمجھی ہوئی تھیں۔ حمید نے اسے پیچان لیا۔ وہ انہیں چاروں میں ایک تھا جن کی تصویریں اس نے کوتولی میں دیکھی تھیں وہ آتے ہی تنویر کے قدموں پر ڈھیر ہو گیا۔

”معاف کر دیجئے محترمہ..... خدا کے لئے معاف کر دیجئے۔“ وہ روتا ہوا گرد گرد ایماگر تنویر نے بڑا سامنہ بنا کر اسے ٹھوکر مار دی۔

حمدید کی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہوتی جا رہی تھی لیکن وہ فرش پر بے حرکت پڑا رہا تھا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ گول سایہ روشنی کا نام سن کر دہاں سے ہٹ کیوں گیا تھا۔

”نہیں تجھے معاف نہیں کیا جاسکتا۔“ تنویر روتے ہوئے باڑی گارڈ سے کھرعنی تھی۔ ”تموں ناگا کی عذاب نہیں گا۔ اس کے لئے یہاں ایک شکار اور بھی ہے کیپن حمید۔ وہ نہیں بتاتا کہ عذاب کہاں ہے۔ اگر تو بتا دے تو میں اسے معاف کر سکتی ہوں۔“

حمدید نے دل میں کہا۔ ”تم مجھے ضرور معاف کر دو گی میری الہڑ بڑھیا۔“ اب بہت کچھ اس کی کجھ میں آگیا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں کہا۔ ”میں بتا دوں گا۔“

”باتاو..... میں تمہیں معاف کر دوں گی۔“  
”پانی.....!“

” بتانے کے بعد پانی بھی مل جائے گا۔“

”میں مر رہا ہوں.....!“ حمید نے اس طرح اپنی آنکھوں کو گردش دی جیسے کچھ اس پر غشی طاری ہو رہی ہو۔

”پانی.....!“ اس کے طلق سے ایک ڈراؤنی سی آواز نکلی۔

”میں پانی لارہی ہوں۔“ تنویر نے کہا اور زینوں کی طرف چھپی۔ حمید نے اس وقت تک یہ ایکنگ جاری رکھی جب تک کہ اس کے قدموں کی آہٹ سکوت میں نہیں ڈوب گئی۔ دوسرا بدنصیب آدمی اسے بڑی بے تعلقی سے دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اس کے ہر قسم کے جذبات فتا ہو گئے ہوں حتیٰ کہ اس کے چہرے پر خوف کے آثار بھی نہیں تھے۔ حمید نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا اور وہ گھٹنوں کے مل جھپٹا جیسے کوئی کتاب پنے مالک کی سیئی پر دم ہلاتا ہوا دوڑا چلا آئے۔

”یہ روشنی میں کیوں نہیں آتا۔“ حمید نے آہٹ سے پوچھا۔

”روشنی میں اسے دکھائی نہیں دیتا۔“

”وہ ہے کیا بلاتا۔“

”خوبیت..... وہ آدمی ہے اور نہ جانور۔“

”کیوں نہ ہم اسے مار دیں۔“

”نامکن..... وہ ہزاروں پر بھاری ہے..... لیکن کیا آپ کے پاس روپاں ہے۔“

”نہیں.....!“

”قطعی نامکن.....!“

”پھر کیا تم منا ہیں چاہتے ہو۔“ حمید نے کہا۔

”مقدار.....!“ اس نے بھی سے کہا لیکن پھر جلدی سے بولا۔ ”تنویر کے بلا اوز کے گریبان میں ہر وقت ایک پستول رہتا ہے۔“

”اوہ..... بس اب تم ہٹ جاؤ۔“ حمید نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ باڑی گارڈ پھر گھٹنوں کے بل چلتا ہوا دیہن پہنچ گیا۔ جہاں تنویر اسے چھوڑ کر گئی تھی۔

کی وجہ سے تم سالاہا سال سے اپنے گھر والوں اور قریبی طفقوں میں نہ اسرار مشہور رہی ہوا اور یہ خالی پستول اب اپنے سر پر مارلو۔ کم از کم ایک کارتوس خودکشی کے لئے تو چھوڑا ہوتا۔“

## سائے کی لاش

فریدی سونچ بورڈ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے کمرے میں روشنی کر دی۔ فاختا تنویر کے حلق سے ایک کھٹی کھٹی ہی چیخ نکلی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ فریدی کے ساتھ عدنان بھی تھا۔

وہ عجیب المختقت آدمی یا جانور فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ انہائی ڈراؤن۔ اس کی لاش بھی خوفزدہ کر دینے کے لئے کافی تھی۔ اس کا قد بیشکل تمام چار فٹ رہا ہوگا۔ پھیلا دیجی اُس سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ چہرہ جھرسیا ہوا اور خوفناک تھا۔ بڑے بڑے دانت ہونتوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پلکیں تک سفید ہو گئی تھیں اور اس کے پیروں..... وہ یقیناً عجیب تھے۔ خود اس کی بیویت سے بھی زیادہ عجیب۔

”نمودنگا.....!“ اچانک تنویر چیخ مار کر اس کی لاش پر گر پڑی۔

”میرے پیارے.....!“ وہ اپنے بال نوچ رعنی تھی۔ ”تو دس ہاتھوں سے زیادہ طاقتور تھا..... مگر میرے پیور چاٹا تھا۔ نمودنگا..... میں تجوہ پر ٹلم کرتی تھی۔ تجھے کوڑے لگاتی تھی تو میرا پرستار تھا۔ میں زندگی بھر تیرے لئے روئی رہوں گی۔ تیرے قاتل کو کبھی معاف نہ کروں گی۔“

”می..... کیا تم پاگل ہو گئی ہو۔“ عدنان جھینپے ہوئے انداز میں چینا۔ تنویر کچھ نہ بولی۔

وہ آگے کی طرف جگلی اور مردہ آدم خور کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا۔

”میں اسے گولی مار دوں گا۔“ عدنان فریدی سے رویا اور چھینے کی کوشش کرنا ہوا بولا۔

فریدی نے اسے آہستہ سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت یہ تمہاری ماں نہیں ہے۔ صرف ایک عورت ہے۔“

عدنан سر جھکائے ہوئے زینوں کی طرف مڑ گیا۔ فریدی نے اسے روکا نہیں۔ وہ اوپر جانے کے لئے زینے طے کر رہا تھا۔ حید اور فریدی خاموش کھڑے رہے۔ باڑی گارڈ ایک

تحوڑی دیر بعد پھر زینوں پر قدموں کی آہٹ ہوئی۔ تنویر پانی کا گلاں لئے ہوئے بیچے آری تھی۔ اُس نے قریب آ کر حید کو آوازیں دیں۔ لیکن حید چپ چاپ پڑا رہا۔ تنویر شاید یہ سمجھی کر اس پر دوبارہ غشی طاری ہو گئی ہے۔

وہ اس کے قریب ہی بیٹھ کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینے مارنے لگی اور پھر حید یک بیک اس پر ٹوٹ پڑا۔ سب سے پہلے اس کا ہاتھ اس کے گریبان کی طرف بڑھا لیکن کامیابی نہ ہوئی اور حید اُس کی طاقت کا اندازہ کر کے ششدراہہ گیا۔ وہ کبھی کسی عورت میں انتہے پھر تیلے پن اور طاقت کا قصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تنویر اس کی گرفت سے نکل گئی اور باڑی گارڈ چینا۔

”کپتان صاحب یہ سونچ بورڈ کی طرف نہ جانے پائے۔“

حید نے پھر اس پر چھلانگ لگائی گریں کا سر دیوار سے ٹکرایا لیکن وہ پھر سنجھل کر تنویر کی طرف چھپنا۔ گراب وہ سونچ بورڈ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ فاختا روشی وحدنا ہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ باڑی گارڈ کے حلق سے ایک خوفزدہ ہی چیخ نکل گئی۔ دوسری طرف تنویر چین کر بولی۔

”نمودنگا میں خطرے میں ہوں۔“

حید کو بس اتنا ہی یاد ہے وہ گیندی بلا اتنی تیزی سے وہاں پہنچ گئی تھی جیسے کسی نے اس پر ہٹ لگائی ہو۔ تنویر نے ایک زہریلا ساقہ تھہ لگا کر کہا۔ ”نمودنگا۔“ لیکن وہ آگے نہ کہہ سکی کیوں کہ زینوں کی طرف سے پے در پے تین چار فائر ہوئے۔ کمرے میں سیٹیاں اور سکاریاں گوئیں چھپنے لگیں۔

”تو یو..... تو یو.....!“ سیٹیوں اور سکاریوں میں کوئی کہہ رہا تھا۔ ”میں تو چلا..... تیرا وقت بھی قریب ہے۔“

tnovir دیوانہ وار زینوں کی طرف فائر کرنے لگی اور پھر شاید اس کا پستول خالی ہی ہو گیا۔ سیٹیاں اور سکاریاں اب بھی کمرے میں گونج رعنی تھیں اور وہ بڑی سی گیندا اپنی ہی جگہ پر بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔ زینوں کی طرف ایک فائر پھر ہوا اور وہ آوازیں بھی ختم ہو گئیں۔

حید نے اندر ہیرے میں فریدی کا قتھہ سنا وہ کہہ رہا تھا۔ ”tnovir اب وہ چیز ختم ہو گئی جس

”مگر عدنان اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“

”نہ جانتا ہوگا..... میں نے ابھی تک اس سے اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔“

”میں ضرور مدد دوں گی۔ تم جو کچھ بھی کہو، میں ان کتوں کی لاشیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے خواہ تجوہ میری پر کون زندگی میں زہر لیے کافی نہیں ہوتے۔ میں سب کچھ بھول گئی تھی۔“

”تمہیں براہ راست پولیس سے مدد طلب کرنی چاہئے تھی۔“

”میں اپنی پرانی تاریک زندگی پر سے پردہ نہیں ہٹانا چاہتی تھی۔ تمہیں پورے حالات کا علم نہیں ہے شاید۔“

فریدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اپنی کلائی کی گھری کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔ وقت کم ہے۔“ پھر اس نے باڑی گارڈ سے کہا۔ ”مُکْرَمٰ تِمٰ بیہنِ خبر و گے۔“

”اچھا..... حضور..... والا.....!“

وہ تینوں اوپر آئے اور حمید نے محosoں کیا کروہ ابھی تک ایک تہہ خانے میں رہے ہیں۔  
تغیری بڑی ارتقی تھی۔ ”عدنان کو تہہ خانوں کا بھی علم نہیں تھا۔“

فریدی نے کہا۔ ”مجھے ان پر اسرار کروں کا علم عدنان سے ہوا تھا۔ تہہ خانے میں نے دریافت کئے تھے۔ میری ایکسیم دوسرا تھی۔ یہاں اس طرح آنے کا ارادہ نہیں تھا جس طرح پہنچا ہوں۔ مگر میرے تغوروں نے خبر دی کہ کیپٹن حمید کو تمہاری کوئی سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا گیا اور اس وقت شاید مجھے ایک منٹ کی بھی دریہ تو.....!“

”مجھے اس پر افسوس نہیں ہے۔“ تغیری نے سر دلچسپی میں کہا۔ ”میں عدنان کو بچانا چاہتی تھی لیکن مودونگا کی موت کے بعد مجھے اس کے قبیلے جانے کی بھی خوشی نہیں ہے۔ میں شروع ہی سے سمجھتی تھی کہ عدنان تمہارے قبیلے میں ہے۔“

”چار خون تمہاری گردن پر..... زغالی کو بھی تم نے ہی گولی ماری تھی اور برقدار زیسوں پر پھیک گئی تھی۔“

”میری گردن پر سیکنڈوں خون ہیں۔“ تغیری نے لاپرواں سے کہا۔ ”زغالی کو اس لئے مار دیا تھا کہ کہیں مودونگا کی کہانی تم تک نہ پہنچ جائے۔ وہ اس سے واقف تھا۔“

کونے میں منڈے اکٹھا اپنی طرح کا نائب رہا تھا۔

”بدبو سے میرا دماغ پھٹ رہا ہے۔“ حمید بڑی بڑی۔ ”یہ کجھت آدم خور بھی تھا۔ تین باڑی گارڈوں کو صاف کر گیا۔ ان کی لاشیں سڑ رہی ہیں اور چھتھا وہ ادھر ہے۔“

فریدی حمید کی بات کی طرف دھیان دیئے بغیر تغیری کی طرف بڑھا جواب بھی مودونگا کی لاش پر پڑی کسی چھوٹی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روری تھی۔

فریدی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ اچھل کر گھری ہو گئی۔ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہر ہے تھے۔

”جاڈیہاں سے ..... میں تم سے اتنا کرتی ہوں۔ اگر میں مجرم ہوں تو مجھے اسی تہہ خانے میں بند کر دو۔ میں ایڑیاں رگز کر مر جاؤں گی۔“

”مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“ فریدی نے زم لجھے میں کہا۔ ”اے لئے میں نے تمہارے لئے خود کشی تجویز کی تھی کیونکہ تمہارے عدالت میں پیش ہونے سے عدنان کا سو شیش اشیش خطرہ میں پڑ جائے گا۔ ہاں سعید بابر اور داراب کی گرفتاری میں مجھے مدد ملے گی۔“

”سعید بابر..... داراب.....!“ تغیری نے حرمت سے کہا اور اپنے آنسو پوچھ ڈالے۔  
چند لمحے فریدی کو گھورتی رہی پھر آہست سے بولی۔ ”انہیں کیوں گرفتار کرو گے۔ ان کی تو پشت پناہی کر رہے تھے تم .....!“

”ہاں..... میں کبھی کبھی مجرموں کو اس وقت پکڑتا ہوں جب وہ میرے گلے میں بانیں ڈالے مجھے اپنی محبت کا لیقین دلارہے ہوں۔“

”اُس کے بھائی کا قصد.....!“ تغیری نے استقہامی انداز میں پوچھا۔  
”اُس کا بھائی.....!“ فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”اُس کا بھائی ابھی تک میری محافظت میں تھا اور شاید سوتیلی ماں اس وقت میرے سامنے کھڑی ہے۔“

”تم کیا..... جانو۔۔۔ تم کیا جانو.....!“ اس نے مضطربانہ انداز میں فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
فریدی اسی طرح کھڑا رہا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

”میرے ذرائع لاحدہ دہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”سالنی.....!“ یک بیک فریدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.....سالنی.....سمندری ڈاکو، جس کا صحیح حلیہ کہیں کے سرکاری ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔“  
”ہاں.....میں سالنی ہوں۔“ تنویر غرائی۔ ”سالنی توںی.....میں نے درجنوں سرکاری جہاز لوٹے ہیں۔ جب میں اپنے قراقوں سیست کی جہاز پر جا پڑی تھی تو وہاں آگ خون اور چینوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ میں سالنی توںی ہوں جس نے سفید قام جہاز رانوں کی زندگی تخت کر دی تھی۔ میری لاش کے لئے انگریزوں نے ایک لاکھ پونڈ کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ تم آج بھی میری لاش انگریزوں کے حوالے کر کے ان سے یہ انعام حاصل کر سکتے ہو۔ ویسے اب شاید ہی الگینڈ والوں کو یقین آئے کہ میں ہی سالنی ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی بھم میں کام آگئی۔“

”تم یہاں بہت دنوں سے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”ہاں.....میں یہاں اس وقت آئی تھی جب عدنان صرف ایک سال کا تھا اور اُسی ذیل کی بدولت آئی تھی جس کے میئے نے یہاں بھی میری زندگی تخت کر دی۔ افریقہ کے مشرقی ساحل پر قراقوں کے کئی گروہ کام کرتے تھے۔ میرا گروہ سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اکثر یہ گروہ آپس ہی میں ٹکرایا جاتے اور اچھا خاصا کشت و خون ہوتا۔ ایک گروہ کا سردار بابر تھا۔ اسی سعید بابر اور عدنان کا باپ۔ ہم دونوں کے گروہ ایک بار آپس میں ٹکرایا۔ بابر کے گروہ کو کھکت ہوئی۔ وہ گرفتار ہو کر میرے سامنے آیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آگیا اور میں نے بابر سے باقاعدہ طور پر شادی کر لی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے کچھ دن وہ ساحل پر رہتا تھا اور کچھ دنوں کے لئے اندر وون ملک میں چلا جایا کرتا۔ لیکن اس نے مجھے اپنا صحیح نام بابر بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ شہباز کے نام سے مشہور تھا۔ میں کچھ اس طرح اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ میں نے کبھی یہ جانے کی کوشش بھی نہیں کی کہ وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے! حالانکہ ٹدوں گا نے مجھے شادی ہی کے موقع پر آ گاہ کر دیا تھا کہ شادی کا انجم اچھا نہیں ہو گا۔ میں نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا۔ وہ ایک بہت بڑا جادو گر اور ستارہ شناس تھا۔ سیکنڈوں میں دور سے طوفان کی بوسوگھ لیتا تھا۔ وہ ہاتھیوں کی طرح طاقت ور تھا۔ میرا غلام تھا۔ مجھ سے ڈرتا تھا۔

حمدی اس کی گفتگو پر عشق کر رہا تھا۔ ایسی عورت آج تک اس کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ ابھی بھی اسے ایک عین تین ترین جرم کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا لیکن اب وہ اتنے سکون اور اتنی لاپرواں سے باشیں کر رہی تھی جیسے کسی ڈرائے کی ریہسل میں حصہ لے کر لوٹی ہو۔ اوپر سارے کمرے ویران پڑے تھے۔ کہیں بھی کوئی نوکر نہیں دکھائی دیا۔ شاید تنویر نے انہیں چھٹی دے دی تھی۔

”میں نے ہی بھجو کر عدنان کی گشادگی کی روپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ تم لوگوں کے قبضے میں ہے۔“ تنویر نے کہا۔

فریدی ایک کمرے میں رک گیا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”بیٹھ جاؤ..... ابھی ہمیں آدھے گھنٹے تک انتفار کرنا پڑے گا۔“

”عدنان کہاں ہے.....میں اب اُس کے سامنے نہیں آنا چاہتی۔“

”میں خود نہیں چاہتا.....وہ تمہیں گولی مار دے گا۔“

”تو نوکر کچھ نہ بولی۔ فریدی نے کہا۔“ وہ میرے آدمیوں کے پاس محفوظ ہے۔

”تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”میں انہیں موقع پر گرفتار کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ان کے خلاف میرے پاس فی الحال ایک شہادت ہے وہ بھی مکمل نہیں ہے۔“

”موقع سے کیا مراد ہے۔“

”ان کا خیال ہے کہ عدنان کا انخواہ محض افواہ ہے۔ وہ بیکن اسی کوٹھی میں کہیں موجود ہے۔ لہذا آج وہ تم دونوں ٹوکھم کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تمہارے ٹدوں گا کے لئے بھی وہ کافی انتظامات کے ساتھ آئیں گے ان کے ساتھ ایک بہت بڑا جال ہو گا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ویسے تمہیں عدالت میں حاضر کر دینے کے لئے وہ ایک باذی گاڑی ہو گا جو نجی گیا ہے اور تم ان لاشیں۔“

”تم بار بار اُس کا تذکرہ نہ کرو۔ میں کہہ بچکی ہوں کہ میری گردن پر سیکنڈوں کے خون ہیں۔ آج بھی افریقہ کے مشرقی ساحل کے لوگ سالنی کے نام سے کامپتے ہیں۔“

بیٹے سے میرا اور عدنان کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا کہ ہم دونوں اس کے لئے خطرناک بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ بہر حال جب اس کتے نے عدنان پر حملہ کیا تو میں سمجھ گئی کہ باہر کے خاندان کے کسی فرد نے اس سر زمین پر قدم رکھا ہے۔ کتے کی شکل و شابہت عدنان نے مجھے بتائی تھی اور اسی بناء پر میں نے یہ سوچا تھا۔ کیونکہ اس قسم کے کتے باہر کے علاوہ شاید ساری دنیا میں اور کسی کے پاس نہیں تھے۔ باہر کو کتوں کا شوق تھا اور وہ ان کی نسلوں پر مختلف قسم کے تجربے کیا کرتا تھا۔ کئی نسلوں کے ملاب سے اس نے یعنی نسل پیدا کی تھی۔ یہ بڑے خطرناک اور انتہائی درجہ زبردی لیتے تھے۔ اکثر وہ انہیں بحری جملوں میں استعمال کیا کرتا تھا۔

”مگر یہ کتنا تو داراب کے پاس تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں تصدیق کر چکا ہوں۔ وہی اسے ایسے کاموں کے لئے استعمال بھی کرتا تھا۔“

”ہو سکتا ہے..... داراب اور باہر بہت پرانے دوست تھے۔ میکھر داراب اب بھی بہت بہت عرصہ سے مجھ سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا میں نے اسے دھنکار دیا۔ ایک موقع پر اسکی بے عزتی بھی کی اور پھر وہ خاموش ہو رہا۔ لیکن.....!“

”آہا..... ٹھہر و.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ پچھنئے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”تو یہ! تم اپنی پوری قوت سے عدنان کو آواز دو۔ اسی طرح آواز دیتی ہوئی اوپری منزل پر چلو۔ کہیں کی روشنی نہ جلانا۔ چلو انھوں۔ یہ آخری مرحلہ ہے اس کے بعد مجرم ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔“

”تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”دبس دیکھتی رہو..... انھوں دینہ کرو.....!“ فریدی نے حمید کو بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ تو یہ عدنان کو آوازیں دیتی ہوئی زینے طے کر رہی تھی۔ اچانک حمید نے عدنان کی بھی آواز سنی ”میں یہاں ہوں ماں.....!“

آواز کے ساتھ ہی ایک کرہ روشن ہوا۔ پھر شاید اسی کمرے کی کسی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ

میرے پر چاٹتا تھا۔ میں نے اس کا کہنا شناختا۔ بہر حال شادی ہو گئی۔ پھر عدنان پیدا ہوا۔ اور مجھے شہباز کے بارے میں کچھ شکوہ نہ گھیر لیا۔ اکثر وہ تین تین ماہ غائب رہتا۔ ایک بار میں نے چھپ کر اس کا تعاقب کیا اور پھر یہ حقیقت مجھ پر محلی کہ نیرودبی کا ایک باعزت تاجر ہے۔ بہت بڑا تاجر اور اس کا نام شہباز نہیں بلکہ باہر تھا اور ہیں نہیں۔۔۔۔۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ ایک لڑکے اور تین لاکوں کا باپ ہے۔ لاکا اس وقت بارہ سال کا تھا۔ مجھ پر خون سوار ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ باہر کو قتل کر دوں مگر اس بار نہ وہا نے مجھے بہت بڑی دھمکی دی۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے باہر کے خون میں ہاتھ رنگے تو وہ مجھے قتل کر دے گا۔ اس نے بتایا کہ باہر کا خون میرے لئے جائز لائے گا۔ میں نے باہر کے سلسلے میں ایک بار اس کی بات نہیں مانی تھی اس کے لئے مجھے پچھتا تھا۔ لہذا اب مجھے اس کی بات کو اہمیت دینی پڑی۔ میں نیرودبی سے دل غلکشہ واپس آئی۔ دل مردہ ہو گیا تھا اس لئے قزرانی ترک کر دی چونکہ میرا صحیح حیلہ سرکاری فائلوں میں موجود نہیں تھا اس لئے میں کچھ دونوں کے بعد یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی لیکن داخلہ باضابطہ طور پر نہیں ہوا۔ میں مژو ٹھکا کو بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ چونکہ وہ عجیب الحلقت تھا اس لئے مجھے اس کو دوسروں کی نظریوں سے چھپائے رکھنا پڑتا تھا۔ مژو ٹھکا نے کبھی کسی حال میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میرا دل زندگی کے آخری لمحات تک اس کیلئے روتا رہے گا۔“

تو یہ ایک خندی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

”مگر سعید باہر کو کیسے علم ہوا کہ تم اس کی سوتیلی ماں ہو۔ ظاہر ہے کہ باہر نے اپنے خاندان والوں سے یہ بات چھپائی ہوگی کہ اس نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ تمہیں اپنی اصلیت سے کیوں نہ آگاہ کرتا۔“

”آج سے دس سال پہلے باہر یہاں آیا تھا۔ اتفاقاً ایک جگہ مجھ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ شکایات کا دفتر لے بیٹھا۔ میں نے اس سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ وہ مجھے بھول جائے اور سکون سے زندگی بر کرنے دے ورنہ اس کا انجمام بڑا دردناک ہو گا۔ میں اب بھی وہی سنائی ہوں جس کا نام مشرقی ساحل کی عورتیں اپنے بچوں کو ڈرانے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ بہر حال وہ مجھ سے متفق ہو گیا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے بہت ڈرتا تھا اس نے اپنے

کرچھ نہ تاہو فرش پر آ رہا۔  
 ”بہت عمدہ..... فریدی بڑا یا۔“ سب کچھ اندازے کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔ آؤ.....  
 ”تو یورا پس چلیں..... کام ہو گیا۔“  
 ”کیا ہو گیا....!“  
 ”جس کرے سے عدنان کی آواز آئی تھی وہاں کھڑکی کے قریب ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا جیسے ہی کمرے میں روشنی ہوئی مجسمے کو عدنان سمجھ کر باہر سے کسی نے فائر کر دیا اور ظاہر ہے کہ اب فائر کرنے والا ہاتھوں ہاتھ بھاں لایا جا رہا ہو گا۔“  
 ”کیا تمہارے آدمی یہاں موجود ہیں۔“  
 ”تقریباً چھاس آدمی تاریک کمپاؤٹر میں بکھرے ہوئے ہیں۔“  
 ”اوہ! تم واقعی بہت اوپنچ آدمی ہو۔ بہت ذہین..... مگر اس کے نے تم پر حملہ کیوں کیا تھا۔“  
 ”سعید بابری طرف سے مطمئن نہیں تھا..... وہ جانتا تھا کہ میں اس کی خلافت ہی میں فتنیش کرتا رہا ہوں۔“  
 ”وہ تینوں پھر نیچے آگئے۔“  
 ”اسٹرڈی میں چلو....!“ فریدی نے تو یور سے کہا۔ ”میرے آدمی انہیں وہیں لا سیں گے۔“  
 اسٹرڈی میں پہنچ کر وہ بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ باہر روشن پر بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔  
 دوسرے ہی لمحے میں ایک جم غیر اندر گھس آیا۔ یہ سادہ لباس والے تھے اور انہوں نے میکر داراب اور سعید بابر کو پکڑ رکھا تھا۔  
 ”آہ..... کریں صاحب۔“ دفعتاً سعید بابر نے خوشی کا نعرہ لگایا۔  
 ”ہاں....!“ فریدی نے سرد لبجھے میں کہا۔ ”تم شاید یہ سمجھے ہو گے کہ یہ تو یور کے آدمی ہیں۔“  
 ”جی ہاں..... ہم اس گول سائے کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ وہ اندر گھسا اور ایک پائپ کے سہارے دیوار پر چڑھنے ہی رہا تھا کہ میکر داراب نے اس پر فائر کر دیا۔ سعید ادھوٹی ہے کہ وہ اسی عمارت میں رہتا ہے۔ نہیں..... اور اگر وہ نہیں رہتا ہے تو اس عورت

سے پوچھئے کہ میرے معلوم بھائی نے اس کا کیا بھاڑا تھا۔ اس نے اسے فٹ پاٹھ پر کیوں سکا کر مارا۔۔۔ پوچھئے تا۔۔۔!“  
 ”تم نے اس کے سائے کو یہاں کب دیکھا تھا۔“  
 ”بھی بھی..... بھی میکر داراب نے اس پر فائر کیا تھا۔۔۔ وہ منٹ بھی نہ گذر پے ہوں گے۔“  
 ”حالانکہ.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں اسے ایک گھنٹہ قبل ختم کر چکا ہوں۔ کیا تم سائے کی لاش دیکھو گے۔“  
 ”اوہ! تو پھر وہ دوسرا۔۔۔!“  
 ”دوسرا آج تک پیدا ہی نہیں ہوا سعید بابر۔“ فریدی بولا۔ ”اور سعید بابر..... اس عورت نے تمہارے بھائی کو جنم دیا تھا۔ وہ اسی کی گود میں پل کر جوان ہوا ہے اور تمہاری جائیداد میں سے اسے آدھا حصہ قینی طور پر ملے گا۔“  
 ”پتے نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“  
 ”تم بیکار اپنا وقت بر باد کر رہے ہو۔“ داراب نے سعید سے کہا۔ ”یہ لوگ ہمیں کسی جال میں چھانٹے کی کوشش کر رہے ہیں۔“  
 اچانک حمید نے داراب کی بیٹت میں ایک گھونسہ رسید کر دیا اور جیسے ہی وہ جیخ مار کر دو ہرا ہوادنوں ہاتھوں کے گھونے اس کے شانوں پر پڑے اور وہ منہ کے بل فرش پر گر گیا۔  
 ”ہائیں..... ہائیں..... کپتان صاحب۔“ سعید بابر بولا اور حمید کا اللہا تھا اس کے گال پر پڑا۔  
 ”تم لوگ مفت میں مجھے رات بھر جگاتے رہے ہو۔“ حمید غرابا۔  
 داراب اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس بار حمید نے اس کے سر پر ٹھوک کر مار دی اور وہ اسے گالیاں دیتا ہوا دوبارہ ڈھیر ہو گیا۔  
 ”سعید بابر.....!“ فریدی بولا۔ ”مسلسلی برا ذم میری قید میں ہے اور اس نے اعتراض کر لیا ہے۔ اس کے ایک پاسپورٹ کی تصویر میک اپ میں تھی۔ تم نے بڑا بڑا سر اڑ ڈرامہ کھیلا تھا اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ تم دونوں کے پاسپورٹ جعلی تھے۔ تم بہت دونوں سے

بھی تعلق ہے اور تمہیں خوف زدہ کرنے کے لئے تمہارے بچپے لگ رہی ہے تاکہ تم ان حالات سے گھبرا کر یہاں سے بھاگ نکلو۔ آخر میں ہوتا یہ کہ ایک دن لسلی بھی غائب ہو جاتی اور تم چوری کی روپورٹ میں ایک بھاری رقم درج کر دیتے۔ تمہارا کیس اور زیادہ تقویت پاجاتا اور ہمیں اس نتیجے پر پنچھا پڑتا کہ وہ فقیر حقیقتاً تمہارا بھائی تھا اور ہم اُس کی موت کی تصدیق کر دیتے۔

”کیا آپ مجھے کوئی جاسوسی ناول سن رہے ہیں۔“ سعید با بر مسکرا کر بولا۔ ”یعنی میں ہی اپنا بھائی بتا تھا اور پھر بھی گیا۔۔۔ اور اب یہاں کھڑا جاسوسی ناول سن رہا ہوں۔“

”اُبھی راحلہ سے تمہاری شادی نہیں ہوئی۔“ فریدی نے سرد لمحے میں کہا۔

”اس جملے اور اس داستان کا تعلق بھی واضح فرمادیجھے۔“ سعید با بر مسکرا کر بولا۔

”ابے بندر کے بچے.....!“ حمید جھنچھلا کر بولا۔ ”اپنی یہ مسکراہٹ بند کرو، ورنہ داراب کی طرح تمہیں بھی بیہوش کر دوں گا۔“

”تمہذیب کو ہاتھ سے نہ جانے دیجھے۔“ سعید نے سرد لمحے میں کہا۔ ”اُبھی آپ میرے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکے۔“

”کیا راحلہ کو یہ نہیں معلوم تھا۔“ فریدی نے بخیدگی سے کہا۔ ”کہ تم جس دم کے ماہر ہو۔ تم نے یہ فن ایک ہندو یوگی سے سیکھا تھا۔ تم نے راحلہ کو بھی اپنے جال میں چاہنے کی کوشش کی تاکہ وہ تمہارے اس کمال کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔ تمہیں صرف تین چار گھنٹے کے لئے مردہ بننا پڑا تھا۔ جس دم کے ماہر تو کئی بختے زمین میں فن رہتے ہیں اور پھر زندہ نکل آتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ تمہاری لاش کے ساتھ تین دوسری لاشیں بھی میڈی یکل کاٹ کو بھیگی گئی تھیں۔ لیکن وہاں صرف تین پہنچیں۔ مردہ گاڑی کھینچنے والوں کو بھی اس پر حیرت تھی۔ اُن کا بیان ہے کہ انہوں نے چار لاشیں سول ہستال کے مردہ خانے سے اٹھائی تھیں لیکن جب انہوں نے میڈی یکل کاٹ میں گاڑی کھوئی تو اُس میں تین ہی برآمد ہوئیں۔ اُن سے حماقت یہ ہوئی تھی کہ وہ گاڑی کو ایک گلی میں کھڑی کر کے ایک جگہ چرس کے دم لگانے کے لئے رک گئے تھے۔ اسی دوران میں تم گاڑی سے نکل بھاگے، انہوں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا لیکن جب میں

یہاں آگئے تھے۔ تم ہی فقیر بن کر سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے تھے پھر ایک دن تم مزگے۔ تم نے پہلے ہی کسی روشنی بابر کے نام یہاں کے بیکوں میں قیس مغل کرنی شروع کر دی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ تم یہاں اپنے کسی بھائی کی موجودگی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ پھر اس کا بھی اعلان چاہتے تھے کہ وہ بھائی مر گیا اور تم اب اپنے باپ کی جائیداد کے تھا مالک ہو۔ تمہیں خدشہ تھا کہ کبھی نہ کبھی تنویر یا عدنان تمہاری افریقہ والی جائیداد کے دعویٰ بار بنا جائیں گے۔ لیکن تم نے فقیر کا بھروسہ اختیار کر لیا۔ کچھ اس قسم کی صدایں لگاتے رہے کہ لوگ تم میں بچپی لینے لگے۔ یہ تم نے اس لئے کیا تھا کہ تمہاری بھل و شباءت اُن کے ذہن تھیں ہو جائے۔ لہذا بھی ہوا۔ جب تمہاری تصویر اخبارات میں بچپی تو لوگوں میں حیرت پھیل گئی۔ جب تم نے اپنے بھائی کی کہنیاں چھیڑی تو تم از کم مجھے بھی یقین ہو گیا کہ وہ تمہارا بھائی ہی رہا ہو گا۔ تم جانتے تھے کہ تنویر سب کچھ سمجھ جائے گی لیکن تمہارے خلاف کوئی تافونی کاروائی نہ کر سکتے۔ کیونکہ اسی صورت میں خود اس کی بھی پول کھل جائے گی۔ تم تو دراصل تنویر کے مرلنے کے بعد عدنان کے کسی اقدام کے امکانات پر غور کر رہے تھے۔ تمہاری دانست میں تنویر مرتبے وقت ہی عدنان کو اس راز سے آگاہ کر کے کافی ذات اُس کے پرورد کرتی۔ تم نے ٹھیک سوچا تھا۔ تنویر حقیقتاً اس بھیتھرے کو اپنی زندگی میں نہ اٹھنے دیتی۔ ہاں تو تم ایک فائز سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ عدنان کی موت۔۔۔ اور تمہارے بھائی کی موت کی سرکاری طور پر تصدیق۔۔۔ اگر ان میں بے ایک کام بھی ہو جاتا تو تمہاری دولت ہمیشہ کے لئے سمجھوٹا ہو جاتی اور عدنان کو تم قتل نہ کر سکتے، تب بھی تمہارا کام بن جاتا۔ اگر عدنان کبھی یہ جھگڑا اٹھاتا بھی تو تم یہ کہہ دیتے کہ یہ آدمی یقیناً اس پارٹی سے تعلق رکھتا ہے جو تمہارے بھائی کی موت کی ذمہ دار تھی۔ تم نے شروع ہی سے ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کچھ لوگ تمہیں زبردستی یہاں سے واپس بھیجنा چاہتے ہیں۔ اُس دن جب تم کیپیں حمید کو اپنی رو داد سارے ہے تھے تم پر ایک فائز تمہارے کے فائز تمہارے ہی کسی آدمی نے کیا ہو گا۔ پھر بسلی براؤن والا اسٹٹس سامنے آیا اس کا مقصد بھی محض حالات کو پُر اسرا رہانا تھا۔ یعنی تمہاری پُر اسرا رہ داستان تمام میں پھیل جائے۔ دوسری طرف تم ہمیں یہ سمجھاتا چاہتے تھے کہ تمہارے بھائی کی موت کے ذمہ دار لوگوں کی حمایت سے لسلی براؤن کا

نے تفیش شروع کی تو انہیں اگلنا ہی پڑا اور پھر میں نے نیرو بی سے بھی تحقیق کی ہے۔ جس دم کی کہانی وہاں کا سراغ رسال بھی سناتا ہے۔ ویسے وہ تمہارے کسی دوسرے بھائی کے وجود کے متعلق خاموش ہے۔ اس کی دافتہ میں تمہارا کوئی سوچتا بھائی ہو بھی سکتا ہے اور انہیں بھی ہو سکتا کیونکہ تمہارا باپ ایک عیاش آدمی تھا۔ بہرحال میں تمہیں اس سارے فراؤ کے الام میں حرast میں لیتا ہوں اور تم نے یاداراب نے اس وقت عدنان پر گولی چلائی تھی۔“

پھر اُس نے سادہ لباس والوں میں سے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اسکے ہھکڑیاں لگا دو۔“  
سعید با بر خاموش تھا۔

فریدی نے بیہوش داراب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”میں اسے اس نے حرast میں لیتا ہوں کہ اس نے ایک رات اُسی زہر لیلے کتے کے ذریعہ میری زندگی کا خاتمه کرنے کی کوشش کی تھی۔“

اچاک کرے میں فائز کی آواز گوئی اور انہوں نے توبیر کو زمین پر گرتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پتوں تھا۔ فریدی اس کی طرف جھپٹتا۔

”فریدی بیٹھیے!“ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ”میں نے تمہارے ..... کہنے کے مطابق خودکشی کر لی ..... میں نے اپنے پتوں میں اوف ..... یہ گولی ..... اسی نے بھائی تھی ..... میں یہ گولی ..... کسی وقت ..... تم پر بھی ..... اوف ..... اس ..... استعمال کر سکتی تھی۔ مگر ..... بیٹھے میں تمہیں عدنان کا سر پرست سمجھتی ہوں ..... وہ تمہیں بہت پسند کر رہتا ..... ہاف .....!“

اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ باسیں طرف جا پڑی۔

”تم بھی بھول گئے تھے کہ پتوں اسی کے پاس ہے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

حمدید کچھ نہ بولا۔ وہ آنکھیں چھاڑتے توبیر کی لاش کو گھوور رہا تھا۔  
کمرے کی فضاب جمل سی ہو گئی تھی اور قریب ہی کہیں ایک کتارو رہا تھا۔

### ختم شد